رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ
جولائی ۲۰۱۴ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

حُسنِ تہذیب اور حُسن سلوک
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

الدُّنیا یوم ولنا فیه صَوم
حافظ انجینئر عمیر انور

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

حصّہ ششم

ترجمہ ومختصر تفسیر

سُورۃُ الاحزاب تا سُورۃُ الحُجرات

صفحات 484
قیمت 590 روپے

★عمدہ طباعت ★ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ★ امپورٹڈ آفسٹ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا، پشاور
A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: 2584824,2214495(091)

مکتبہ خدام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

جلد : 63

شمارہ : 7

رمضان المبارک 1435ھ

جولائی 2014ء

فی شمارہ 25/-

خصوصی شمارہ، قیمت 50 روپے

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

اندرون ملک	250 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org

ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36313131

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال 5

''ضربِ عضب'' اور شیطانِ اکبر کی خوشنودی! — ایوب بیگ مرزا

بیانُ القُرآن 9

سورۂ بنی اسراء یل (آیات ۷۳ تا ۱۱۱) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مطالعۂ حدیث 31

حسنِ تہذیب اور حسنِ سلوک — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

حقیقتِ صوم 50

اَلدُّنْیَا یَوْمٌ وَلَنَا فِیْہِ صَوْمٌ — حافظ انجینئر عمیر انور

عظمتِ قرآن 64

ایں کتابے نیست چیزے دیگر است! — مدثر رشید

شہرِ عظیم 71

رمضان، قرآن اور ہم — سید عبدالوہاب شیرازی

تعمیرِ سیرت 83

روزہ: اپنے آداب کے آئینے میں — عتیق الرحمٰن صدیقی

حسنِ عبادت 89

مسنون اعتکاف کی فضیلت — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

معرکۂ ایمان و مادّیت 93

فتنۂ دجالیت — رحمت اللہ بٹر

حسنِ معاشرت 106

مثالی معاشرہ: قرآن کی نظر میں — محفوظ الرحمٰن قاسمی

فرائضِ دینی 111

تبلیغ دین: سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں — محمد فہیم

فقہی مسائل 118

صدقۂ فطر: فضائل و مسائل — حافظ محمد زاہد

تقدیرِ اُمم 124

کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا! — فرید بن مسعود

مشاہدات و تاثرات 137

عمرہ ۲۰۱۴ء — ڈاکٹر صاحبزادہ انوار احمد بگوی

❁ ❁ ❁

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

''ضربِ عَضب'' اور شیطانِ اکبر کی خوشنودی!

آتشِ جنگ سے تو پاکستان قریباً تیرہ سال سے جھلس رہا ہے' لیکن اس آگ کے شعلے لحہ بہ لحہ تیز ہوتے رہے ہیں اور شعلوں کا آسمان کو چھونے والی ضرب المثل کا اطلاق اب گویا آنکھوں دیکھی بات ہے۔ ایک نادان جرنیل اقتدار کی ہوس میں اس پرائی آگ کو دوسرے گھر سے اپنے آنگن میں گھسیٹ لایا۔ وہ خود کو بڑا چالاک اور عیار سمجھتا تھا' لیکن خود اوروں کی عیاری کا شکار ہوگیا۔ آج خود بھی ذلیل وخوار ہو رہا ہے اور پاکستان پر آگ وخون کا کھیل مسلط کر گیا ہے۔ ہم نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ حق کی بات کہی جائے' چاہے وہ اپنے بہترین دوست کے خلاف ہو یا بدترین دشمن کے حق میں ہو۔ اللہ ربّ العزت نے اپنے بندے کو جو ذہن عطا فرمایا ہے اور جو زبان دی ہے اس کا حق اسی طرح ادا کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے' قلم کی آبرو بھی اسی بنیاد پر قائم رہ سکتی ہے۔ اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی صلاحیتوں میں برکت عطا فرماتا ہے۔ ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ کا اطلاق صرف رزق پر نہیں ہوتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتوں کے حوالے سے فرمایا ہے۔

ہم ذکر کر رہے تھے حرص وہوا کے اس بندے کا جو ذاتی اقتدار کے لیے اس پرائی جنگ کو اپنی طرف کھینچ لایا تھا اور امریکہ کے دباؤ پر اپنے بے گناہ عوام پر بربریت اور ظلم وستم کی انتہا کر دی تھی۔ تاریخ کے حوالہ سے اندھا اور بہرا یہ شخص نہیں جانتا تھا کہ اس دنیا میں اقتدار کی ہمیشگی کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ ہاں مہلت ہے' ڈھیل ہے۔ اللہ رب العزت کسی بدبخت کو زیادہ اوپر اس لیے بھی لے جاتا ہے تاکہ زیادہ بری طرح زمین پر پٹخ دیا جائے۔ بہرحال ہم اس آگ میں گھر چکے ہیں۔ یہ بھی ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمیں ایسے ہمسائے ملے ہیں یا ہم نے خود اپنی ہمسائیگی میں ایسے لوگوں کو برسرِاقتدار آنے میں مدد کی ہے جو اس آگ پر تیل چھڑک رہے ہیں' اور اہلِ پاکستان کا خصوصاً حکمرانوں کا حال یہ ہے کہ وہ عقل' دانشمندی' حکمت اور مصلحت جیسی چیزوں سے بالکل بے نیاز اور لاتعلق ہو چکے ہیں۔ ایک طرف اقتدار اور قوت اندھے پن کا مظاہرہ کر رہی ہے اور دوسری طرف ظلم وبے انصافی اور انتہا درجے کی بربریت کے شکار طبقات ردّعمل کا شکار ہو کر اسلام کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کر رہے ہیں' وہ اسلام جو انسانیت کے لیے باعث

رحمت ہے۔ اسی لیے وہ مبارک اور بابرکت ہستی جس نے یہ دین ہم تک پہنچایا اس نے رحمۃ للعالمین اور محسنِ انسانیت (ﷺ) کا لقب پایا۔ ردّعمل کا شکار یہ لوگ اس دین کو اپنی سفاکیت کی آڑ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہم نے روزِ اوّل سے ہی ہر قسم کے فوجی آپریشن کی شدت سے مخالفت کی تھی۔ ہم اپنے اس موقف پر چٹان کی طرح ڈٹے رہے اور ببانگ دہل کہتے رہے کہ شمالی وزیرستان میں جاری فوجی آپریشن انتہائی ضرر رساں ثابت ہوگا' یہ پاکستان کو خون کا غسل دے گا۔ یہ پاکستان کو ایسے تپ دق کے مریض کی مانند بنا دے گا جو ہر وقت خون تھوکتا رہتا ہے۔ ہم مقتدر حلقوں کو انتباہ کرتے رہے کہ اگر وہ باز نہ آئے تو شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن ان کی توقعات سے کہیں زیادہ خونریزی کا باعث بنے گا۔ لیکن دوسری طرف ہم یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ کوئی بھارتی ہتھیاروں سے لیس ہو کر G.H.Q یا مہران بیس پر حملہ آور ہو جائے۔ مہران بیس پر اواکس طیارے تباہ ہونے پر ایک عسکری ماہر نے تبصرہ کیا تھا کہ پاکستان بحری دفاع کے حوالہ سے اندھا نہیں تو کانا ضرور ہو گیا ہے۔ ہم اس دلیل کو کمزور ہونے کے باوجود وقتی طور پر قبول کر لیتے ہیں کہ حکومت تحریک طالبان پاکستان کے جنگجوؤں پر حملہ کرتی ہے تو وہ کیوں نہ فوجی تنصیبات پر حملہ کریں؟ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کراچی کے سویلین ہوائی اڈے پر حملہ کرنے کا کیا جواز تھا؟ کیا A.S.F نے کہیں فاٹا یا دوسرے قبائلی علاقوں میں جنگ کی تھی؟ کیا نجی ہوائی کمپنیوں کے سات ملازمین سے انہوں نے اپنی مخالفت میں کبھی ایک لفظ بھی سنا تھا؟ کراچی کے ہوائی اڈے پر ہلاک ہونے والے معصوم لوگ کس کے ہاتھ پر اپنا خون تلاش کریں؟ روزِ قیامت یہ کلمہ گو اللہ رب العزت کے دربار میں اپنا مقدمہ پیش کریں گے تو ان مدعیانِ اسلام کے پاس کیا جواب ہوگا؟ کراچی پہلے ہی کچھ ستم گروں کے ہاتھوں زخمی ہے۔ تحریک طالبان پاکستان نے کراچی پر مزید ضربیں لگا کر کس کی خدمت کی تھی؟ صورت حال میں تبدیلی اس لیے بھی آئی کہ خالد سجنا گروپ نے تحریکِ طالبان پاکستان سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے وہ تمام الزامات تحریک طالبان پاکستان پر لگائے جو معاشرے کے کسی بدترین فرد یا گروہ پر لگائے جاسکتے ہیں۔ ہمارے لیے تو وہ الزامات نقل کرنا بھی مشکل ہے' لیکن یہ گھر کے بھیدی کے لگائے ہوئے الزامات ہیں' انہیں نظرانداز کیسے کیا جاسکتا ہے!

کراچی کے ہوائی اڈے پر حملے نے ریاست پاکستان کی کمزوری کو کھل کر واضح کر دیا اور اس کا امریکہ نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ عالمی سطح پر تنقید کی وجہ سے اسے ڈرون حملے بند کرنا پڑے تھے' وہ دوبارہ شروع ہو گئے۔ امریکہ کا جہاں تک تعلق ہے پاکستان میں فساد پھیلانا' اسے غیر مستحکم کرنا اس کے ایجنڈے میں سرفہرست ہے۔ نائن الیون کے بعد پاکستان نے جو ہمالائی غلطی کی وہ

برادر ملک افغانستان کی اسلامی حکومت کے خلاف امریکہ کا اتحادی بننا تھا۔ ایسا ایک سپریم پاور کے غیظ وغضب سے بچنے کے لیے کیا گیا تھا یا کسی اور مقصد کے تحت یہ پالیسی بنائی گئی' بہرصورت یہ ایک اسلام دشمن' پاکستان دشمن اور انصاف دشمن پالیسی تھی' جس کی شدت سے مذمت ہمارا دینی فریضہ تھا' اور ہے ہم آج بھی اس حوالہ سے ہر عذر کو عذرِ لنگ قرار دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ پاک سرزمین کے عوام اور حکمران اس جرمِ عظیم کے ارتکاب کا دُنیوی خمیازہ بھگت رہے ہیں' لیکن یہی غلطی فریق مخالف بھی دہرا رہا ہے۔ کیا تحریک طالبان پاکستان کے قائد مولوی فضل اللہ امریکہ کی مرضی کے بغیر ایک منٹ کے لیے بھی افغانستان میں ٹھہر سکتے ہیں؟ انہیں پاکستان کے خلاف لڑنے اور یہاں جنگجو بھیجنے کے لیے اسلحہ اور مالی وسائل کون مہیا کر رہا ہے؟ ظاہر ہے یہ مسلمانوں کے دشمن صلیبی ہیں یا مشرکین بھارت ہیں۔ یہ دلیل بہت بودی اور غیر منطقی ہے کہ اگر پاکستان امریکہ سے مدد لے سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں لے سکتے؟ اگر دشمن اور فریق مخالف بدکرداری کا مظاہرہ کرے تو کیا کسی مسلمان کو بھی ایسا کرنا زیب دیتا ہے؟

کراچی پاکستان کا تجارتی حب ہی نہیں پاکستان کی شہ رگ بھی ہے۔ اسے درست طور پر ''منی پاکستان'' کہا جاتا ہے۔ ۸ مئی کی نصف شب کو کراچی ایئرپورٹ پر حملہ آور اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاتے تو پاکستان مفلوج ہو سکتا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسے حملوں سے پاکستان کو چند ہزار یا لاکھ افراد کا گروہ فتح کر سکتا ہے جبکہ مقابلے میں سٹینڈنگ آرمی ایک پوری قوت کے ساتھ موجود ہے؟ البتہ یہ ضرور ہے کہ پاکستان مزید کمزور ہو جائے اور بھارت یا امریکہ کے لیے تر نوالہ بن جائے۔ تب کیا صلیبی یا مشرکین بھارت کسی کو اس سرزمین پر اسلام نافذ کرنے دیں گے؟ ایک بات واضح رہنی چاہیے کہ مقامی لوگ گوریلا جنگ لڑ کر کسی بڑی سے بڑی بیرونی قوت کو تونا کوں چنے چبوا سکتے ہیں۔ ایسا ویت نام میں ہوا' افغانستان میں طالبانِ افغانستان کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھا کر امریکہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہا ہے' لیکن یہ ممکن نہیں کہ اس انداز سے کچھ بیرونی جنگجو کسی مقامی مضبوط ریاست کو گرا دیں۔ پاکستان آرمی بھی ہم ہی سے ہے اور تحریک طالبان پاکستان کے جنگجو بھی ہمارے مسلمان بھائی ہیں' ہم دونوں کے خیر خواہ ہیں' ہم مسلمانوں کے مابین اس خونریزی کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ ماضی کی غلطیوں اور نادانیوں کو فراموش کر کے ہمیں اُمتِ مسلمہ کے دشمنوں کے خلاف متحد ہونا ہوگا۔ اپنے بھائی کے حوالہ سے تحمل برداشت اور صبر جنگ لڑنے سے کہیں زیادہ بہادری اور حوصلہ مندی ہے۔ بھائیو! خدارا ایک دوسرے کو معاف کر دو' ایک بار پھر ایک دوسرے کے گلے لگ جاؤ۔ یہ اُمت اس جسد کی مانند ہو جائے جس کے ایک حصہ کی تکلیف سارے جسم کو بے چین کر دیتی ہے۔ یہی ہمارے پیارے نبی ﷺ کی خواہش تھی۔

اپنے حوالے سے صرف یہ عرض کریں گے کہ اپنوں کی ڈانٹ ڈپٹ محبت سے لبریز ہوتی ہے۔ حکومت اور تحریک طالبان پاکستان کی اس چپقلش میں ہم حکومت سے درخواست کریں گے کہ آپ حکمران ہیں۔ آپ کے پاس طاقت ہے۔ آپ کا اپنے ناراض بھائیوں کے سامنے جھک جانا آپ کی اعلیٰ ظرفی کا اظہار ہوگا۔ عوام اولاد کی مانند ہوتی ہے اور حکومت کا رول ایک ماں کا رول ہوتا ہے۔ آپ ماں کے مقدس رشتے کو کیوں بدنام کرتے ہیں؟ حکومت آگے بڑھے اور اپنے ناراض بھائیوں کو اپنی بانہوں میں لے لے—— اور تحریک طالبان پاکستان سے دست بستہ عرض ہے کہ غصہ تھوک دیں' بہت ہوگئی' غضب سے صرف شیطان فائدہ اٹھاتا ہے' وہ شیطان جس نے ہمارے پاک رب کو' جو الرحمٰن بھی ہے اور الرحیم بھی' چیلنج کیا تھا کہ میں تیرے بندوں کے راستے میں بیٹھوں گا' اور انہیں گمراہ کروں گا۔ تب ہر عیب سے پاک ہمارے ربّ نے جواب میں فرمایا تھا: ''میں تم سے اور ان گمراہ لوگوں سے جہنم کو بھر دوں گا اور میرے صالح بندے کبھی گمراہ نہ ہوں گے''۔ ہماری دعا ہے کہ ہم سب نہ صرف مسلمانانِ پاکستان بلکہ کُل اُمتِ مسلمہ شیطان کو مسترد کر دیں اور اللہ کے صالح بندے بن جائیں۔

فریقین کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ حالات و واقعات پر ذرا غور کریں' وہ یقیناً یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ شیطانِ اکبر یعنی امریکہ کیا رول ادا کر رہا ہے۔ وہ پاکستانی حکومت کی مالی و عسکری مدد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دہشت گردوں کا خاتمہ کر دو کہ یہ تمہارے ملک کو تباہ کر دیں گے اور دوسری طرف مولوی فضل اللہ جیسے لوگوں کو اسی طرح مدد پہنچا کر پاکستان کو سبق سکھانے اور اس سے انتقام لینے کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ فریقین کا ایک جیسا دشمن ہے۔ آہ کاش' ہم بے وقوف نہ بنیں' ہم کٹھ پتلی نہ بنیں۔ یاد رکھیے' نقصان پاکستان کے کسی حصے کو پہنچے یا تحریکِ طالبان پاکستان کا کوئی جنگجو جان سے جائے دونوں صورتوں میں نقصان مسلمانوں کا ہے' اُمتِ مسلمہ کا ہے' اور فائدہ اسلام دشمن طاغوتی قوتوں کا ہے۔ لہٰذا ہم حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ اس خونریز آپریشن کو' جسے نبی اکرم ﷺ کی مبارک تلوار ''عضب'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے' فوری طور پر بند کیا جائے۔ یہ تلوار اسلام دشمن قوتوں کے خلاف استعمال ہونی چاہیے' مسلمانوں کا خون بہانے والے آپریشن کو محمد رسول اللہ ﷺ کی تلوار سے کوئی نسبت نہیں ہونی چاہیے۔ خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ مذاکرات کے سلسلہ کا از سرِ نو آغاز کریں' اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ باہمی تنازعات کو میز کے گرد بیٹھ کر خوبصورتی سے حل کیا جا سکتا ہے۔ ان شاء اللہ! آخر میں ہم انتہائی عاجزی سے رب کائنات کے حضور دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں دین کا صحیح فہم عطا فرما۔ ایمان حقیقی عطا فرما اور عقل سلیم عطا فرما۔ ❁❁❁

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃ بَنِی اِسرائِیل

آیات ۷۳ تا ۸۴

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـــًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ وَقُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَي الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ۝ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰي شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝

آیت ۷۳ ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ تو اس بات پر تُلے ہوئے تھے کہ آپ کو فتنے میں ڈال کر اُس چیز سے ہٹا دیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے تاکہ آپ اس کے علاوہ کوئی اور

چیز گھڑ کر ہم سے منسوب کر دیں‘‘

یہ آیت اس بے پناہ دباؤ کی طرف اشارہ کر رہی ہے جس کا سامنا رسول اللہ ﷺ کو قریش کی طرف سے مکہ میں تھا۔ ایک طرف تو قریش مکہ آپ ﷺ پر مسلسل دباؤ ڈال رہے تھے کہ آپ ﷺ قرآن کے غیر لچک دار احکام میں کچھ نرمی پیدا کریں‘ اس کلام میں کچھ ترمیم کر لیں‘ کچھ اپنی بات منوائیں اور کچھ ہماری مانیں۔ یہ مضمون اس سے پہلے سورۂ یونس (آیت ۱۵) میں بھی آ چکا ہے: ﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ﴾ ’’(اے محمد ﷺ) آپ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن پیش کریں یا پھر اس میں کچھ ردّ و بدل کر لیں۔‘‘

دوسری طرف وہ مسلسل یہ مطالبہ بھی کیے جاتے تھے کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو نشانی کے طور پر ہمیں کوئی معجزہ دکھائیں۔ ان کا یہ مطالبہ ان کے عوام تک میں بہت مقبول ہو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضور ﷺ کی اپنی خواہش بھی یہی تھی کہ انہیں کوئی معجزہ دکھا دیا جائے‘ مگر اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ انہیں کوئی حسی معجزہ نہیں دکھایا جائے گا۔ اس سے پہلے سورۃ الانعام (آیت ۳۵) میں ہم اللہ تعالیٰ کا دوٹوک فیصلہ بایں الفاظ پڑھ آئے ہیں: ﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاۗءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ﴾ ’’اور اگر آپ پر ان کی یہ بے اعتنائی گراں گزرتی ہے تو اگر آپ استطاعت رکھتے ہیں تو زمین میں کوئی سرنگ کھود دیں یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگائیں اور لے آئیں ان کے لیے کوئی معجزہ!‘‘ چنانچہ ان دونوں پہلوؤں سے حضور ﷺ کو شدید دباؤ کا سامنا تھا‘ اور اسی دباؤ کا اظہار اس آیت میں نظر آ رہا ہے۔

﴿وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝۷۳﴾ ’’اور اگر آپ ایسا کرتے تب تو یہ لوگ آپ کو اپنا گاڑھا دوست بنا لیتے۔‘‘

تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ اس نوعیت کی مداہنت (compromise) کے عوض وہ لوگ آپ کو اپنا بادشاہ بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار تھے۔

آیت ۷۴ ﴿وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـــًٔا قَلِيْلًا ۝۷۴﴾ ’’اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو عین ممکن تھا کہ آپ ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک ہی جاتے۔‘‘

یہ بہت نازک اور اہم مضمون ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں سورۂ یوسف‘ آیت ۲۴ میں اسی طرح فرمایا گیا تھا: ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ﴾

یعنی عزیز مصر کی بیوی نے تو قصد کر ہی لیا تھا' اور یوسفؑ بھی قصد کر لیتے اگر وہ اللہ کی برہان نہ دیکھ لیتے۔ یعنی یہ امکان تھا کہ بر بنائے طبع بشری وہ بھی ارادہ کر بیٹھتے' مگر اللہ نے انہیں اس سے محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمایا۔ حضور ﷺ کے لیے بھی یہاں اسی طرح فرمایا کہ اگر ہم نے آپؐ کے پاؤں جما کر آپ ﷺ کے دل کو اچھی طرح سے مضبوط نہ کر دیا ہوتا تو قریب تھا کہ آپؐ کسی نہ کسی حد تک ان کی طرف مائل ہو جاتے۔ بہر حال ان الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اس دَور میں قریش مکہ کی طرف سے کس قدر شدید دباؤ تھا۔

آیت ۷۵ ﴿اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ﴾ ''(اگر ایسا ہو جاتا) تب ہم آپؐ کو دگنی سزا دیتے زندگی میں اور دگنی سزا دیتے موت پر''

اَلرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّلَ وَالْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی

''رب تو آخر رب ہے جتنا بھی تنزل فرما لے اور بندہ بہر حال بندہ ہی ہے جس قدر بھی ترقی پا لے!''

﴿ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝۷۵﴾ ''پھر نہ پاتے آپؐ اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار۔''

آیت کا مضمون بہت نازک ہے۔ بہر حال میں نے الفاظ کے مطابق ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے' لیکن موقع محل اور سیاق وسباق کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اصل مفہوم کو دقت نظری سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ یہ خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہے مگر سختی کا رخ اُن لوگوں کی طرف ہے جنہوں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے آپؐ کے مقابلے میں ایسے حالات پیدا کر رکھے تھے۔ ان الفاظ میں ان لوگوں کو سنایا جا رہا ہے کہ بدبختو! تم جو چاہو کر لو' ہمارے نبی (ﷺ) تمہارے اس دباؤ میں آ کر تمہارے مطالبات ماننے والے نہیں ہیں۔

آیت ۷۶ ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۷۶﴾ ''اور یہ تلے ہوئے ہیں کہ آپؐ کے قدم اکھاڑ دیں اس زمین سے' تاکہ آپؐ کو یہاں سے نکال باہر کریں' اور (اگر ایسا ہوا تو) تب وہ خود بھی نہیں ٹھہریں گے آپؐ کے بعد مگر تھوڑا عرصہ۔''

یہ مکی دور کے آخری ایام کے اُن حالات کی جھلک ہے جب اس کش مکش کی شدت انتہا کو پہنچ چکی تھی اور حالات بے حد نازک رخ اختیار کر چکے تھے۔ یہاں پر رسول اللہ ﷺ کو (معاذ

اللہ) مکہ سے نکالنے کے لیے قریش کی منصوبہ بندی کا صرف ذکر کیا گیا ہے' مگر اس کی نفی کرنے کے بجائے یہ پیشین گوئی کی گئی ہے کہ اگر ایسا ہوا تو آپؐ کے بعد وہ خود بھی یہاں پر زیادہ عرصہ نہیں رہ سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قریش کے اکثر سردار تو ہجرت کے دوسرے برس ہی جنگِ بدر میں قتل ہو گئے جبکہ صرف آٹھ سال بعد مکہ شہر پر آپ ﷺ کا باقاعدہ تسلط بھی قائم ہو گیا۔

آیت ۷۷ ﴿سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا﴾ ''یہی (ہمارا) طریقہ رہا اُن کے باب میں جنہیں ہم نے آپؐ سے پہلے بھیجا اپنے رسولوں میں سے''

یعنی آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسولؑ آئے ان کے بارے میں ہمارا قاعدہ اور قانون یہی رہا ہے کہ رسولؑ کی ہجرت کے بعد متعلقہ قوم پر سے اللہ کی اَمان اٹھالی جاتی ہے اور اس کے بعد وہ قوم بہت جلد عذاب کی گرفت میں آ جاتی ہے۔

﴿وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝۷۷﴾ ''اور آپؐ ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔''

آیت ۷۸ ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ﴾ ''نماز قائم رکھیے سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے تاریک ہونے تک' اور قرآن کا پڑھا جانا فجر کے وقت۔''

یہ حکم پنج گانہ نماز کے نظام کے بارے میں ہے۔ سورج کے ڈھلنے کے ساتھ ہی ظہر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔ پھر عصر' مغرب اور عشاء کی نمازوں کا ایک سلسلہ ہے جو رات گئے تک جاری رہتا ہے۔ پانچویں نماز یعنی فجر کو یہاں پر ''قرآن الفجر'' سے تعبیر کیا گیا ہے' کیونکہ اس میں طویل قراءت کی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ نماز پنجگانہ کے اوقات کے بارے میں یہ حکم عمومی نوعیت کا ہے' جبکہ ہر نماز کے وقت کی خصوصیت کے ساتھ نشاندہی بعد میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کی جس کی تفصیل کتب احادیث میں ملتی ہے۔

﴿اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝۷۸﴾ ''یقیناً فجر کے وقت قرآن کا پڑھا جانا مشہود ہے۔''

گویا فجر کا وقت نماز اور قراءت کے اعتبار سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ رات بھر جسمانی اور ذہنی آرام کے بعد فجر کے وقت انسان تازہ دم ہوتا ہے۔ اس وجہ سے نماز میں اس کی حضوریٔ قلب کی کیفیت بھی بہتر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ فجر کا وقت فرشتوں کی حاضری کے

اعتبار سے بھی اہم ہے۔ دنیا کے معاملات کی نگرانی کرنے والے فرشتوں کی ڈیوٹیاں صبح اور عصر کے اوقات میں تبدیل ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان دونوں نمازوں میں دونوں جماعتوں کے فرشتے موجود ہوتے ہیں۔ ڈیوٹی سے فارغ ہوکر جانے والے فرشتے بھی اور آئندہ ڈیوٹی کا چارج لینے والے بھی۔ لہٰذا فرشتوں کی اس حاضری کی وجہ سے بھی نمازِ فجر خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

آیت ۷۹ ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ﴾ ''اور رات کے ایک حصے میں آپؐ جاگیے اس (قرآن) کے ساتھ''

یہاں لفظ ''بِہٖ'' میں وہی انداز ہے جس کی تکرار اس سے پہلے ہم سورۃ الانعام میں دیکھ چکے ہیں۔ (اَنْذِرْ بِہٖ، ذَکِّرْ بِہٖ) یعنی انذار، تذکیر، تبشیر، تبلیغ سب قرآن کے ذریعے سے ہو۔ چنانچہ یہاں پر رسول اللہ ﷺ کو تہجد کا حکم دیا گیا تو فرمایا گیا کہ رات کا ایک حصہ آپؐ قرآن کے ساتھ جاگیے۔ تہجد کی نماز آپؐ قرآن کے ساتھ پڑھیں۔ گویا تہجد کا مقصد اور اس کی اصل روح یہی ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھا جائے۔ چھوٹی چھوٹی سورتوں کے ساتھ رکعتوں کی مخصوص تعداد پوری کر لینے سے یہ مقصد پورا نہیں ہوتا۔

﴿نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝۷۹﴾ ''یہ اضافی چیز ہے آپؐ کے لیے، امید ہے کہ آپؐ کا رب آپؐ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔''

''مقامِ محمود'' بہت ہی اعلیٰ اور ارفع مقام ہے جس پر آنحضور ﷺ کو میدانِ حشر میں اور جنت میں فائز کیا جائے گا۔ ہم اس مقام کی عظمت اور کیفیت کا اندازہ اپنے تصور سے نہیں کر سکتے۔

آیت ۸۰ ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ﴾ ''اور دعا کیجیے کہ اے میرے رب مجھے داخل کر عزت کا داخل کرنا اور مجھے نکال عزت کا نکالنا''

یہ ہجرت کی دعا ہے۔ جب ہجرت کا اِذن آیا تو ساتھ ہی یہ دعا بھی تعلیم فرما دی گئی کہ اے اللہ! تو مجھے جہاں بھی داخل فرمائے یعنی یثرب (مدینہ) میں، عزت و تکریم کے ساتھ داخل فرما، وہاں پر میرا داخلہ سچا داخلہ ہو اور یہاں مکہ سے مجھے نکالنا ہے تو باعزت طریقے سے نکال۔ یاد کیجیے کہ سورۂ یونس کی آیت ۹۳ میں بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانہ عطا کیے جانے کا ذکر بھی ''مُبَوَّاَ صِدْقٍ'' کے الفاظ سے ہوا ہے۔

﴿وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝۸۰﴾ ''اور مجھے خاص اپنے پاس سے مددگار قوت عطا فرما۔''

یعنی مدینہ میں جس نئے دور کا آغاز ہونے والا ہے اس میں اپنے دین کے غلبے کے اسباب پیدا فرما، اور مجھے وہ طاقت، قوت اور اقتدار عطا فرما جس سے دین کی عملی تنفیذ کا کام آسان ہو جائے۔ اس دعا میں رسول اللہ ﷺ کو بالکل وہی کچھ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے جو عنقریب آپؐ کو ملنے والا تھا۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ مدینہ میں آپؐ کا استقبال ایک بادشاہ کی طرح ہوا۔ اوس اور خزرج کے قبائل نے آپؐ کو اپنا حاکم تسلیم کر لیا۔ یہودیوں کے تینوں قبائل ایک معاہدے کے ذریعے آپ ﷺ کی مرضی کے تابع ہو گئے اور یوں آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہوتے ہی وہاں کے بے تاج بادشاہ بن گئے۔

آیت ۸۱ ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ﴾ ''اور آپؐ کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا۔''

بظاہر تو ابھی اس انقلاب کے آثار نمودار نہیں ہوئے تھے، ابھی آٹھ سال بعد جا کر کہیں مکہ فتح ہونے والا تھا، لیکن عالم امر میں چونکہ اس کا فیصلہ ہو چکا تھا لہٰذا ابھی سے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے حق کی آمد اور باطل کے فرار کا اعلان کرایا جا رہا ہے۔

﴿اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝۸۱﴾ ''یقیناً باطل ہے ہی بھاگ جانے والا۔''

باطل کو ثبات نہیں۔ جب بھی اس کا حق کے ساتھ معرکہ ہوگا تو حق کے مقابلے میں باطل ہمیشہ پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

آیت ۸۲ ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴾ ''اور ہم قرآن سے وہ کچھ نازل کرتے ہیں جو شفا اور رحمت ہے اہل ایمان کے حق میں۔''

یہاں پر پھر قرآن کا لفظ ملاحظہ ہو۔ نوٹ کیجیے کہ خود قرآن کا ذکر اس سورت میں جتنی مرتبہ آیا ہے کسی اور سورت میں نہیں آیا۔ اس آیت میں قرآن کے احکام کو اہل ایمان کے لیے شفا اور رحمت قرار دیا گیا ہے۔ اس سے قبل یہی مضمون سورۂ یونس میں اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۷﴾ ''اے لوگو! آ گئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے سینوں (کے امراض) کی شفا اور اہل ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت''۔ یعنی قرآن ایک مؤمن کے سینے کو تمام آلائشوں اور بیماریوں (مثلاً کفر، شرک، تکبر، حسد، حُبِّ مال، حُبِّ جاہ، حُبِّ اولاد وغیرہ) سے صاف اور پاک کر دیتا ہے۔

﴿وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾ ''لیکن یہ ظالموں کو نہیں بڑھاتا مگر خسارے ہی میں۔''

جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا ہے: ﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾۔

آیت ۸۳ ﴿وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَي الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ﴾ ''اور جب ہم انسان کو نعمتوں سے نوازتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور (ہم سے) کنّی کترانے لگتا ہے۔''

﴿وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا﴾ ''اور جب اس پر کوئی تکلیف آپڑتی ہے تو مایوس ہو کر رہ جاتا ہے۔''

آیت ۸۴ ﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰي شَاكِلَتِهٖ ۭ﴾ ''آپؐ کہہ دیجئے کہ ہر شخص کام کرتا ہے اپنے شاکلہ کے مطابق۔''

''شاکلہ'' سے مراد ہر انسان کی شخصیت کا مخصوص سانچہ ہے' جیسے آپ کو کسی دھات سے کوئی شے بنانی ہے تو پہلے اس کا ایک سانچہ (pattern) بناتے ہیں اور اس دھات کو پگھلا کر اس میں ڈال دیتے ہیں تو وہ دھات وہی مخصوص شکل اختیار کر لیتی ہے۔ انسانی شخصیت کے مخصوص سانچے کی تشکیل میں انسان کے موروثی genes اور اس کا خارجی ماحول بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ گویا موروثی عوامل اور ماحولیاتی عوامل کے حاصل ضرب سے انسان کی شخصیت کا جو ہیولیٰ بنتا ہے وہی اس کا شاکلہ ہے۔ کسی شخص نے نیکی اور برائی کے لیے جو بھی محنت اور کوشش کرنی ہے وہ اپنے اس شاکلہ کے اندر رہ کر ہی کرنی ہے۔ گویا کسی انسان کا شاکلہ اس کے دائرہ عمل کی حدود کا تعین کرتا ہے۔ وہ نہ تو ان حدود سے تجاوز کر سکتا ہے اور نہ ہی ان سے بڑھ کر عمل کرنے کا وہ مکلّف ہے۔ جیسے انگریزی میں کہا جاتا ہے: One cannot grow out of his skin یعنی کسی نے موٹا ہونے کی جتنی بھی کوشش کرنی ہے اپنی کھال کے اندر رہ کر ہی کرنی ہے۔ وہ اپنی کھال سے باہر بہر حال نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ ہر شخص اپنے شاکلہ کے مطابق عمل کرتا ہے اور اللہ کو خوب علم ہے کہ اس نے کس کو کس طرح کا شاکلہ دے رکھا ہے۔ اور وہ ہر شخص سے اس کے شاکلہ کی مناسبت سے ہی حساب لے گا۔ (اس مضمون کی مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو بیان القرآن' جلد اول' سورۃ البقرۃ' تشریح آیت ۲۸۶۔)

﴿فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا﴾ ''پس آپ کا رب خوب جانتا ہے

اُسے جو زیادہ سیدھے راستے پر ہے۔''

اس مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلنَّاسُ مَعَادِنُ))(۱) کہ انسان معدنیات کی طرح ہیں۔ معدنیات میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی خصوصیات (properties) ہوتی ہیں۔ سونے کی ore چاندی کی ore سے بالکل مختلف خصوصیات کی حامل ہے۔ اسی طرح ہر انسان کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کی خصوصیات سے خوب واقف ہے۔

آیات ۸۵ تا ۹۳

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَلَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَاۗءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَاۗءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

آیت ۸۵ ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں روح کے بارے میں۔''

(۱) صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء و کتاب المناقب۔ وصحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب الارواح جنود مجندة۔

﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴿۸۵﴾﴾ ’’آپؐ فرما دیجیے کہ روح میرے رب کے امر میں سے ہے اور تمہیں نہیں دیا گیا علم مگر تھوڑا سا۔‘‘

روح کے بارے میں یہ سوال ان تین سوالات میں سے تھا جو ایک مرتبہ مدینہ کے یہودیوں نے قریش مکہ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ سے پوچھ بھیجے تھے۔ ان میں سے ایک سوال اصحاب کہف کے بارے میں تھا اور دوسرا ذوالقرنین کے بارے میں۔ ان دونوں سوالات کے تفصیلی جوابات سورۃ الکہف میں دیے گیے ہیں‘ مگر روح کے متعلق سوال کا انتہائی مختصر جواب اس سورت میں دیا گیا ہے۔

اس بارے میں یہاں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ روح کا تعلق عالم امر سے ہے اور عالم امر چونکہ عالم غیب ہے اس لیے اس کے بارے میں تم لوگ کچھ نہیں جان سکتے۔ انسان کے علم کا ذریعہ اس کے حواس ہیں اور اپنے ان حواس کے ذریعے وہ صرف عالم خلق کی چیزوں کے بارے میں جان سکتا ہے‘ عالم غیب (عالم امر) تک اس کا علم رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ عالم غیب کی باتوں کو اسے ویسے ہی ماننا ہوگا جیسے قرآن اور رسولؐ کے ذریعے سے بتائی گئی ہوں۔ اسی کا نام ایمان بالغیب ہے‘ جس کا ذکر قرآن مجید کے آغاز میں ہی کر دیا گیا ہے: ﴿الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ﴿۳﴾﴾ (البقرۃ)۔ قبل ازیں سورۃ الاعراف کی آیت ۵۴ اور سورۃ النحل کی آیت ۴۰ کی تشریح کے ضمن میں عالمِ خلق اور عالمِ امر کے بارے میں تفصیلی بحث کی جا چکی ہے۔ وہاں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ فرشتوں‘ انسانی ارواح اور وحی کا تعلق عالم امر سے ہے۔

آیت ۸۶ ﴿وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْھَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا﴿۸۶﴾﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس (قرآن) کو جو ہم نے وحی کیا ہے آپ کی طرف‘ پھر آپ نہ پائیں گے اپنے لیے اس پر ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار۔‘‘

آیت ۸۷ ﴿اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا﴿۸۷﴾﴾ ’’مگر یہ تو رحمت ہے آپؐ کے رب کی طرف سے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس کا فضل آپؐ پر بہت بڑا ہے۔‘‘

یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے جس کے مطابق بظاہر خطاب تو حضور ﷺ سے ہے مگر اصل میں لوگوں کو یہ باور کرانا مقصود ہے کہ آپؐ کا اصل مقام و مرتبہ کیا ہے۔ اسی مقصد کے لیے آپ ﷺ سے بار بار اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کا اعلان کرایا گیا کہ اے لوگو! میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں‘ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ یہاں اسی بات کی تاکید کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ یہ ہماری عطا اور مہربانی ہے کہ ہم نے بذریعہ وحی آپؐ پر یہ عظیم الشان کلام نازل کیا ہے۔ اگرچہ اس کا ہرگز ہرگز کوئی امکان نہیں تھا‘ مگر محض ایک اصولی بات سمجھانے کے لیے فرمایا گیا کہ جس طرح ہم نے یہ کلام نازل کیا ہے اسی طرح ہم اسے واپس بھی لے سکتے ہیں‘ اسے سلب بھی کر سکتے ہیں۔ یہ کلام نہ تو آپ ﷺ کا خود ساختہ ہے اور نہ ہی آپ ﷺ اسے اپنے پاس رکھنے پر قادر ہیں۔ یہ تو سراسر اللہ کی مہربانی اور اُس کی رحمت کا مظہر ہے اور وہی اسے آپ ﷺ کے سینے میں جمع کر کے محفوظ فرما رہا ہے۔

آیت ۸۸ ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا﴿۸۸﴾﴾ ’’آپؐ کہہ دیجیے کہ اگر جمع ہو جائیں تمام انسان اور تمام جن اس بات پر کہ وہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو وہ نہیں لا سکیں گے اس کی مانند‘ اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔‘‘

اس موضوع پر قرآن کا اپنے مخاطبین سے یہ سب سے پہلا مطالبہ ہے جس میں ان سے پورے قرآن کا جواب دینے کو کہا گیا ہے۔

آیت ۸۹ ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ ’’اور ہم نے پھیر پھیر کر بیان کی ہیں لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں‘‘

﴿فَاَبٰٓی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا﴿۸۹﴾﴾ ’’لیکن اکثر لوگ انکار (اور کفرانِ نعمت) ہی پر اڑے ہوئے ہیں۔‘‘

آیت ۹۰ ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ﴾ ’’اور انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپؐ کی بات نہیں مانیں گے‘‘

﴿حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا﴿۹۰﴾﴾ ’’یہاں تک کہ آپؐ جاری کر دیں ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ۔‘‘

مشرکین مکہ کی طرف سے اس طرح کے مطالبات بار بار کیے جاتے تھے کہ جب تک آپ ﷺ ہمیں کوئی معجزہ نہیں دکھائیں گے ہم آپؐ کو رسول نہیں مانیں گے۔

آیت ۹۱ ﴿اَوۡ تَکُوۡنَ لَکَ جَنَّۃٌ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الۡاَنۡہٰرَ خِلٰلَہَا تَفۡجِیۡرًا ﴿۹۱﴾﴾ ’’یا آپؐ کے لیے بن جائے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ‘ پھر آپ جاری کر دیں اس کے اندر نہریں۔‘‘

آیت ۹۲ ﴿اَوۡ تُسۡقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمۡتَ عَلَیۡنَا کِسَفًا﴾ ’’یا آپؐ گرا دیں آسمان ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے جیسا کہ آپؐ دعویٰ کرتے ہیں‘‘

یعنی آپ ﷺ ہمیں قیامت کے حوالے سے خبریں سنا سنا کر جو ڈراتے رہتے ہیں کہ اُس وقت آسمان پھٹ جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے‘ تو آپ ﷺ آسمان کا کوئی ٹکڑا ابھی ہم پر گرا کر دکھا دیں۔

﴿اَوۡ تَاۡتِیَ بِاللّٰہِ وَالۡمَلٰٓئِکَۃِ قَبِیۡلًا ﴿۹۲﴾﴾ ’’یا آپ لے آئیں اللہ کو اور فرشتوں کو (ہمارے) سامنے۔‘‘

آیت ۹۳ ﴿اَوۡ یَکُوۡنَ لَکَ بَیۡتٌ مِّنۡ زُخۡرُفٍ اَوۡ تَرۡقٰی فِی السَّمَآءِ ؕ﴾ ’’یا آپؐ کے لیے سونے کا ایک محل (تعمیر) ہو جائے‘ یا آپؐ آسمان میں چڑھ جائیں‘‘

﴿وَلَنۡ نُّؤۡمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیۡنَا کِتٰبًا نَّقۡرَؤُہٗ ؕ﴾ ’’اور ہم آپؐ کے (آسمان میں) چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے یہاں تک کہ آپؐ اتار لائیں ایک کتاب جسے ہم خود پڑھیں۔‘‘

ان لوگوں کے ان تمام مطالبات کے جواب میں صرف ایک بات فرمائی گئی:

﴿قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ ہَلۡ کُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۳﴾﴾ ’’آپ کہہ دیجیے کہ میرا رب پاک ہے‘ میں نہیں ہوں مگر ایک بشر رسول۔‘‘

یعنی میں بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ میں بھی اسی طرح پیدا ہوا ہوں جس طرح تم سب لوگ پیدا ہوئے ہو۔ میں تمہاری ہی طرح کھاتا پیتا ہوں‘ دنیا کے کام کاج کرتا ہوں‘ بازاروں میں چلتا پھرتا ہوں اور میں نے ہر سطح پر کاروبار بھی کیا ہے۔ میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں اور میری سیرت اور اخلاق و کردار روزِ روشن کی طرح

تمہارے سامنے ہے۔ مجھ میں اور تم میں بنیادی فرق یہ ہے کہ میرے پاس اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے‘ اور اللہ کا وہ پیغام جو بذریعہ وحی مجھ تک پہنچتا ہے وہ میں تم لوگوں تک پہنچانے پر مامور ہوں۔

اگرچہ سیرت و کردار اور مرتبہ رسالت و نبوت کے اعتبار سے عام انسانوں سے نبی اکرم ﷺ کی کوئی مناسبت نہیں‘ مگر عام بشری تقاضوں کے حوالے سے انہیں یہ جواب دیا گیا کہ میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔

آیات ۹۴ تا ۱۰۰

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَہُمُ الۡہُدٰۤی اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَبَعَثَ اللّٰہُ
بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۴﴾ قُلۡ لَّوۡ کَانَ فِی الۡاَرۡضِ مَلٰٓئِکَۃٌ یَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَئِنِّیۡنَ لَنَزَّلۡنَا
عَلَیۡہِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَکًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۵﴾ قُلۡ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًۢا بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَکُمۡ ؕ اِنَّہٗ
کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَہُوَ الۡمُہۡتَدِ ۚ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ
تَجِدَ لَہُمۡ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِہٖ ؕ وَنَحۡشُرُہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ عَلٰی وُجُوۡہِہِمۡ عُمۡیًا
وَّبُکۡمًا وَّصُمًّا ؕ مَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ؕ کُلَّمَا خَبَتۡ زِدۡنٰہُمۡ سَعِیۡرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِکَ جَزَآؤُہُمۡ
بِاَنَّہُمۡ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَقَالُوۡۤا ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا
جَدِیۡدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنۡ
یَّخۡلُقَ مِثۡلَہُمۡ وَجَعَلَ لَہُمۡ اَجَلًا لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ ؕ فَاَبَی الظّٰلِمُوۡنَ اِلَّا کُفُوۡرًا ﴿۹۹﴾
قُلۡ لَّوۡ اَنۡتُمۡ تَمۡلِکُوۡنَ خَزَآئِنَ رَحۡمَۃِ رَبِّیۡۤ اِذًا لَّاَمۡسَکۡتُمۡ خَشۡیَۃَ الۡاِنۡفَاقِ ؕ
وَکَانَ الۡاِنۡسَانُ قَتُوۡرًا ﴿۱۰۰﴾

آیت ۹۴ ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَہُمُ الۡہُدٰۤی اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۴﴾﴾ ’’اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب کہ ان کے پاس ہدایت آ گئی‘ مگر اس بات نے کہ انہوں نے کہا: کیا اللہ نے بھیجا ہے ایک بشر کو رسول بنا کر!‘‘

اُن کا کہنا تھا کہ اس کام کے لیے ان کی طرف کوئی فرشتہ بھیجا جاتا تو بھی کوئی بات تھی۔

اب وہ اپنی ہی طرح کے ایک انسان کو آخر کیونکر اللہ کا رسول مان لیں؟ ان کے اس اعتراض کے جواب میں جو دلیل دی جا رہی ہے وہ بہت اہم ہے:

آیت ۹۵ ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝۹۵﴾ ''آپؐ فرمائیں کہ اگر زمین میں فرشتے (آباد ہوتے اور وہ) اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔''

رسول کا کام ہے اللہ کے پیغام کو انسانوں تک پہنچانا' اس کی ایک ایک بات کو سمجھانا اور پھر اللہ کے احکام کے مطابق عمل کر کے اپنی زندگی کو ان کے سامنے بطور نمونہ پیش کرنا۔ اب ظاہر ہے انسانوں کے لیے نمونہ تو ایک انسان ہی ہو سکتا ہے' فرشتہ تو ان کے لیے نمونہ نہیں بن سکتا۔ چنانچہ اگر ان کے پاس ایک فرشتہ رسول بن کر آ جاتا تو یہی لوگ کہتے کہ یہ تو فرشتہ ہے' اس کی کوئی خواہش ہے نہ ضرورت' نہ رشتہ ہے نہ ناتا' نہ جذبات ہیں نہ احساسات' ہماری اس سے کیا نسبت؟ ہماری تو گھر گرہستی ہے' اہل و عیال ہیں' مجبوریاں ہیں' ضرورتیں ہیں' طرح طرح کے جنجال ہیں' ہم اس کی سیرت اور اس کے کردار کی پیروی کیسے کر سکتے ہیں؟ البتہ اگر زمین میں فرشتے بستے ہوتے اور ان کی طرف رسول بھیجنا ہوتا تو ضرور کسی فرشتے ہی کو اس کام پر مامور کیا جاتا' مگر اب معاملہ چونکہ انسانوں کا ہے لہٰذا ان پر حجت قائم کرنے کے لیے لازماً کسی انسان ہی کو بطور رسول بھیجا جانا چاہیے تھا' سو ایسا ہی ہوا۔

آیت ۹۶ ﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان۔''

ردّوقدح بہت ہو چکی۔ اب میں یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں' جو میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ اب وہی فیصلہ کرے گا۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ۝۹۶﴾ ''یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر اور ان پر نظر رکھنے والا ہے۔''

آیت ۹۷ ﴿وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ﴾ ''اور جسے اللہ ہدایت دیتا ہے بس وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے''

﴿وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ﴾ ''اور جسے وہ گمراہ کر دے تو ہرگز نہیں پائیں گے آپ ایسے لوگوں کے لیے کوئی مددگار اُس کے سوا۔''

﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ﴾ ''اور ہم انہیں جمع کریں گے قیامت کے دن ان کے مونہوں کے بل (چلاتے ہوئے)' اندھے' گونگے اور بہرے۔''

﴿مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝۹۷﴾ ''ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب بھی اس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی ہم اسے ان کے لیے مزید بھڑکا دیا کریں گے۔''

آیت ۹۸ ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ ''یہ سزا ہے ان کی اس بنا پر کہ انہوں نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا''

﴿وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝۹۸﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہو جائیں گے ہم ہڈیاں اور چورا چورا' تو کیا ہم دوبارہ اٹھا لیے جائیں گے ایک نئی مخلوق کی صورت میں؟''

آیت ۹۹ ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ﴾ ''کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر قادر ہے کہ ان جیسے پھر پیدا کر دے''

جب تمہیں اُس نے ایک دفعہ پیدا کیا ہے تو اب تمہاری طرح کے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیونکر مشکل ہوگا؟

﴿وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝۹۹﴾ ''اور اُس نے مقرر کیا ہے ان کے لیے ایک وقت معین جس میں کوئی شک نہیں' مگر ان ظالموں نے انکار ہی کیا سوائے کفر (اور کفرانِ نعمت) کے۔''

انہوں نے اللہ کے ہر حکم اور اس کی ہر آیت سے کفر اور انکار کی روش اپنائے رکھی۔

آیت ۱۰۰ ﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ﴾ ''آپؐ کہیے کہ اگر تمہیں

اختیار ہوتا میرے رب کی رحمت کے خزانوں پر‘‘

﴿اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ﴾ ’’تب بھی تم ضرور روک رکھتے (انہیں) خرچ ہو جانے کے ڈر سے۔‘‘

اگر اللہ کی رحمت کے بے حساب خزانے تمہارے اختیار میں ہوتے تو تم لوگ اپنے فطری بخل کے سبب اُن کے دروازے بھی بند کر دیتے کہ کہیں خرچ ہو کر ختم نہ ہو جائیں۔

﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝۱۰۰﴾ ’’اور انسان بہت ہی تنگ دل ہے۔‘‘

آیات ۱۰۱ تا ۱۱۱

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ
لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝۱۰۱ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ
اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝۱۰۲ فَاَرَادَ
اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ۝۱۰۳ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ
لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۝۱۰۴
وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۱۰۵ وَقُرْاٰنًا
فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝۱۰۶ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا
تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ
سُجَّدًا ۝۱۰۷ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝۱۰۸ وَيَخِرُّوْنَ
لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝۱۰۹ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا
مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ
بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝۱۱۰ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ
شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝۱۱۱

آیت ۱۰۱ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ﴾ ’’اور ہم نے موسیٰؑ کو نو واضح نشانیاں عطا کی تھیں‘‘

ان میں سے دو نشانیاں تو وہ تھیں جو آپؑ کو ابتدا میں عطا ہوئی تھیں‘ یعنی عصا کا اژدھا بن جانا اور یدِ بیضا۔ ان کے علاوہ سات نشانیاں وہ تھیں جن کا ذکر سورۃ الاعراف کی آیات ۱۳۰ اور ۱۳۳ میں ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف قسم کے عذاب تھے (قحط سالی‘ پھلوں اور فصلوں کا نقصان‘ طوفان‘ ٹڈی دل‘ چیچڑیاں‘ مینڈک اور خون) جو مصر میں قومِ فرعون پر مختلف اوقات میں آتے رہے۔ جب وہ لوگ عذاب کی تکالیف سے تنگ آتے تو اسے ٹالنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے وہ عذاب ٹل جاتا۔

یہاں یہ نکتہ لائق توجہ ہے کہ سورت کے آغاز میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا اور اب آخر میں بھی آپؑ کا ذکر ہونے جا رہا ہے۔ یہ اسلوب ہمیں قرآن حکیم کی ان سورتوں میں ملتا ہے جو ایک خطبے کے طور پر ایک ہی تنزیل میں نازل ہوئی ہیں۔ ایسی سورتوں کی ابتدائی اور آخری آیات خصوصی اہمیت اور فضیلت کی حامل ہوتی ہیں اور ان کے مضامین میں ایک خاص ربط پایا جاتا ہے۔ سورت کے آغاز میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ کے اُس دور کا ذکر کیا گیا ہے جب آپؑ مصر سے نکل کر صحرائے سینا میں آ چکے تھے اور وہاں سے آپؑ کو کوہِ طور پر بلا کر تورات عطا کی گئی تھی: ﴿وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝۲﴾ ’’اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب (تورات) دی اور ہم نے اُسے بنایا ہدایت بنی اسرائیل کے لیے‘ کہ تم مت بناؤ میرے سوا کسی کو کارساز‘‘۔ اب آخر میں بنی اسرائیل کے زمانۂ مصر کے حالات کے حوالے سے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا جا رہا ہے:

﴿فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝۱۰۱﴾ ’’تو ذرا پوچھیں بنی اسرائیل سے (اس زمانے کا حال) جب کہ موسیٰؑ ان کے پاس آئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ اے موسیٰؑ میں تو تمہیں ایک سحر زدہ آدمی سمجھتا ہوں۔‘‘

دیکھئے جو الفاظ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہے تھے عین وہی الفاظ حضور ﷺ کے لیے آپؐ کے مخالفین کی طرف سے استعمال کیے گئے ہیں۔ اسی سورت میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ

قریش مکہ آپ ﷺ کے بارے میں کہتے تھے: ﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ ''تم نہیں پیروی کر رہے مگر ایک سحر زدہ شخص کی۔''

آیت ۱۰۲ ﴿قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: تجھے خوب معلوم ہے کہ نہیں نازل کیا ان (نشانیوں) کو مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے آنکھیں کھول دینے کے لیے۔''

﴿وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا﴾ ''اور اے فرعون! میں تو تمہیں ہلاکت زدہ سمجھتا ہوں۔''

ایک تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزاج جلالی تھا' دوسرے آپؑ بچپن سے اس فرعون کے ساتھ پلے بڑھے تھے' اس طرح اس کی حیثیت آپؑ کے چھوٹے بھائی کی سی تھی۔ چنانچہ آپؑ نے بڑے بارعب انداز میں بلا جھجک جواب دیا کہ تمہیں تو مجھ پر جادو کے اثر کا گمان ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ تو ربِ کائنات کی بصیرت افروز واضح نشانیوں کو جھٹلا کر اپنی ہلاکت اور بربادی کو یقینی بنا چکا ہے۔

آیت ۱۰۳ ﴿فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ ''تو اُس نے ارادہ کیا کہ انہیں اکھاڑ پھینکے زمین سے''

فرعون باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت بنی اسرائیل کی نسل کشی کر رہا تھا۔ وہ ان کے لڑکوں کو قتل کروا دیتا اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ اور کسی بھی قوم کے مکمل استیصال کا اس سے زیادہ مؤثر طریقہ بھلا اور کیا ہو سکتا ہے!

﴿فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا﴾ ''لیکن ہم نے غرق کر دیا اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو۔''

آیت ۱۰۴ ﴿وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ﴾ ''اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم لوگ زمین میں آباد ہو جاؤ''

﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا﴾ ''پھر جب آئے گا پچھلے وعدے کا وقت تو ہم لے آئیں گے تم سب کو سمیٹ کر۔''

اکثر و بیشتر مفسرین نے وَعْدُ الْاٰخِرَةِ سے آخرت یعنی قیامت مراد لی ہے۔ یعنی جب

قیامت آئے گی تو تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو گے سب کو اکٹھا کر کے ہم میدانِ حشر میں لے آئیں گے۔ لیکن میرے خیال میں ان الفاظ میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ جب آخرت کا وقت قریب آئے گا تو بنی اسرائیل کو ہر کہیں سے اکٹھا کر کے ایک جگہ جمع کر لیا جائے گا۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کر کے بہت بڑے جرم کے مرتکب ہو چکے تھے۔ اس کے بعد نبی آخر الزماں ﷺ کی رسالت کو جھٹلا کر انہوں نے اپنے اس جرم کی مزید توثیق بھی کر دی۔ چنانچہ اب اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قوم کی حیثیت اس قیدی کی سی ہے جس کو اس کے جرم کی سزا سنائی جا چکی ہو' مگر اس سزا کی تعمیل (execution) ابھی باقی ہو۔

اس سورت کے نزول کے وقت بنی اسرائیل کے دورِ انتشار (Diaspora) یعنی فلسطین سے بے دخل ہوئے ساڑھے پانچ سو سال ہو چکے تھے۔ پچھلی صدی تک بھی ان کی کیفیت یہ تھی کہ یہ لوگ پوری دنیا میں بکھرے ہوئے تھے۔ چونکہ کسی اجتماعی سزا یا عذاب کے لیے ان کا ایک جگہ اکٹھے ہونا ضروری تھا اس لیے قدرت کی طرف سے اسرائیل کی ریاست کا قیام عمل میں لایا گیا اور آیت زیر نظر کے الفاظ کے عین مطابق دنیا کے کونے کونے سے تمام یہودیوں کو اکٹھا کر کے یہاں آباد کیا گیا۔ اب اپنے زعم میں تو ان لوگوں نے عظیم تر اسرائیل (Greater Israel) کا منصوبہ اور نقشہ تیار کر رکھا ہے اور عین ممکن ہے ان کا یہ منصوبہ پورا بھی ہو جائے' مگر بالآخر یہ عظیم تر اسرائیل ان کے لیے عظیم تر قبرستان ثابت ہو گا (واللہ اعلم!) آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور آپؑ ہی کے ہاتھوں اس قوم کی ہلاکت ہو گی۔

اب آخری آیات میں پھر سے قرآن مجید کا ذکر بڑے عظیم الشان انداز میں آ رہا ہے:

آیت ۱۰۵ ﴿وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ﴾ ''اور اس (قرآن) کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے۔''

یہاں ''حق'' کا لفظ خصوصی اہمیت کا حامل ہے اور اس لفظ کی معنوی تاثیر کو واضح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے دونوں دفعہ خاص طور پر زور دے کر اور واضح کر کے پڑھا جائے۔ اس آیت کا انداز بالکل وہی ہے جو سورۃ الطارق کی ان آیات میں پایا جاتا ہے: ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾﴾ ''یقیناً یہ (قرآن) قولِ فیصل ہے اور یہ کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے''۔ اس مفہوم کی وضاحت ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث نبویؐ میں ملتی

ہے :((اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ))(۱) ''یقیناً اللہ اس کتاب کی بدولت کئی قوموں کو اٹھائے گا اور کئی دوسری قوموں کو گرائے گا''۔ چنانچہ قرآن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عروج بخشا اور جب ہم اس کے تارک ہوئے تو اسی جرم کی پاداش میں ہمیں زمین پر پٹخ دیا گیا:

خوار از مہجوریٔ قرآں شُدی شکوہ سنج گردشِ دوراں شُدی
اے چوں شبنم بر زمیں افتندۂ در بغل داری کتابِ زندۂ

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۱۰۵﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) نہیں بھیجا ہم نے آپؐ کو مگر بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا۔''

آیت ۱۰۶ ﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰي مُكْثٍ﴾ ''اور قرآن کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے (کر کے نازل) کیا ہے' تاکہ آپؐ اسے لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنائیں۔''

﴿وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝۱۰۶﴾ ''اور ہم نے اس کو اُتارا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے!''

قرآن کے مختلف احکام حالات کے عین مطابق مختلف مواقع پر نازل کیے جاتے رہے تاکہ جن آیات یا احکام کی جس وقت ضرورت ہو وہی لوگوں کو پڑھ کر سنائے جائیں۔ جیسے جیسے رسول اللہ ﷺ کی تحریک اور دعوت آگے بڑھتی گئی ویسے ویسے قرآن کے احکام کے ذریعے اس کے لیے فکری رہنمائی مہیا کی جاتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ پورا قرآن یکبارگی نازل نہیں کیا گیا۔

آیت ۱۰۷ ﴿قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ!''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝۱۰۷﴾ ''یقیناً وہ لوگ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا تھا جب یہ (قرآن) ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔''

اس آیت میں یہود کے بعض علماء کی طرف اشارہ ہے۔

آیت ۱۰۸ ﴿وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝۱۰۸﴾ ''اور وہ کہتے

(۱) صحیح مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا' باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمہ ..... وسنن ابن ماجہ' المقدمۃ' باب فضل من تعلم القرآن وعلمہ۔ وسنن الدارمی ' کتاب فضائل القرآن ' باب ان اللّٰہ یرفع بھٰذا القرآن اقواما ویضع آخرین۔

ہیں کہ پاک ہے ہمارا رب' یقیناً ہمارے رب کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا۔''

جب قرآن کہہ رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ علمائے یہود میں لازماً کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اس طرح کے خیالات کے حامل ہوں گے۔ ہجرت سے قبل رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بارے میں اطلاعات تو یہود مدینہ کو ملتی رہتی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی قرآن کی کچھ آیات بھی ان تک ضرور پہنچ چکی ہوں گی۔ اس پس منظر میں ہوسکتا ہے کہ ان کے بعض اہل علم نہ صرف قرآن کو پہچان کر اللہ کے حضور سجدوں میں گرے ہوں بلکہ اُن کی زبانوں پر بے اختیار یہ الفاظ بھی آ گئے ہوں کہ اللہ نے جو آخری نبی بھیجنے کا وعدہ کر رکھا تھا وہ تو آخر پورا ہونا ہی تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کی طرف اشارہ ہے جو بائبل کی کتاب استثناء کے اٹھارہویں باب کی آیت ۱۸ اور ۱۹ میں ان الفاظ میں آج بھی موجود ہے کہ اے موسیٰؑ میں ان کے بھائیوں (بنی اسرائیل کے بھائی یعنی بنو اسماعیل) میں تیری مانند ایک نبی اٹھاؤں گا اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا اور وہ لوگوں سے وہی کچھ کہے گا جو میں اسے بتاؤں گا۔

آیت ۱۰۹ ﴿وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝۱۰۹﴾ ''اور وہ گر پڑتے ہیں اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے اور یہ (قرآن) اضافہ کرتا ہے ان کے خشوع میں۔''

اب وہ دو آخری آیات آ رہی ہیں جن کے متعلق آغاز میں بتایا گیا تھا کہ وہ معرفتِ خداوندی اور توحیدِ ربانی کے عظیم خزانے ہیں۔ اس کے بعد سورۃ الکہف کے آخر میں بھی دو آیات آئیں گی جو ان آیات کی طرح بہت عظیم ہیں۔

آیت ۱۱۰ ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر۔''

﴿اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ﴾ ''جس نام سے بھی تم پکارو سب اچھے نام اسی کے ہیں۔''

ہر خیر' ہر خوبی' ہر بھلائی' ہر حسن' ہر کمال' ہر جمال جس کا تم تصور کر سکتے ہو' وہ بہ تمام و کمال اللہ تعالیٰ کی ذات میں موجود ہے۔

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝۱۱۰﴾ ''اور مت بلند کرو آواز اپنی نماز میں اور نہ ہی بہت پست رکھو اس میں' بلکہ اس کے بین بین

روش اختیار کرو۔''

تمہاری نمازیں اور دعائیں نہ تو بہت زیادہ جہری ہوں نہ بالکل ہی سرّی' بلکہ ان کے بین بین کی راہ اختیار کرو۔

آیت ۱۱۱ ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ ''اور کہہ دیجیے کہ کُل حمد اور کُل شکر اللہ ہی کے لیے ہے''

یہ آیت اپنے مضمون کے اعتبار سے سورۃ الاخلاص کی ہم وزن ہے۔ اس میں پانچ مختلف انداز میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور توحید کا بیان ہے۔ اس ضمن میں یہ پہلی بات ہے' یعنی حضورﷺ کی زبان مبارک سے یہ اعلان کہ تمام تعریفیں اور ہر قسم کا شکر اللہ ہی کے لیے ہے۔

﴿الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا﴾ ''جس نے نہیں بنائی کوئی اولاد''

یہ دوسری بات ہے' جسے سورۃ الاخلاص میں ﴿لَمْ یَلِدْ ۙ وَ لَمْ یُوْلَدْ ۳﴾ کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ﴾ ''اور نہیں ہے اس کا کوئی شریک بادشاہی میں''

تیسری بات اقتدار و اختیار سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ تنہا ہر چیز کا مالک و مختار اور مالک الملک ہے۔ اس کے علاوہ کسی کے پاس کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں۔

﴿وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ﴾ ''اور نہ ہی اس کا کوئی دوست ہے کمزوری کی وجہ سے''

یہ چوتھی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی کو اپنی دوستیوں پر قیاس مت کرو۔ تم تو دوستیاں اس لیے پالتے ہو کہ تم اپنے دوستوں کے محتاج ہوتے ہو۔ انسان دوست اس لیے بناتا ہے کہ وہ ضرورت کے وقت کام آئے گا۔ بعض دفعہ انسان اپنے کسی دوست کی انتہائی ناجائز بات صرف اس لیے ماننے پر مجبور ہوتا ہے کہ کل وہ میری بھی کوئی ضرورت پوری کرے گا۔ انسان کی یہی کمزوری اسے دوست بنانے اور دوستانہ تعلق نبھانے پر مجبور کرتی ہے' مگر اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی تمام کمزوریوں سے پاک ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ سب اس کے محتاج ہیں۔ چنانچہ اللہ کی دوستی کسی ضرورت کی بنیاد پر نہیں ہوتی اور نہ ہی اللہ کا کوئی دوست اس سے اپنی کوئی بات زبردستی منوا سکتا ہے۔ پانچویں اور آخری بات بہت اہم ہے:

﴿وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۱۱۱﴾ ''اُس کی تکبیر کرو جیسے کہ تکبیر کرنے کا حق ہے۔''

یہ ترجمہ (تکبیر کرو) بہت اہم اور توجہ طلب ہے۔ صرف زبان سے ''اللہ اکبر'' کہہ دینے

سے اللہ کی تکبیر نہیں ہو جاتی' اس کے لیے عملی طور پر بھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ زبان سے اللہ اکبر کہنا تو تکبیر کا پہلا درجہ ہے کہ کسی نے زبان سے اقرار کر لیا کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اس کے بعد اہم اور کٹھن مرحلہ اپنے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اللہ کو عملی طور پر بڑا کرنے کا ہے۔ یہ مرحلہ تب طے ہوگا جب ہمارے گھر میں بھی اللہ کو بڑا تسلیم کیا جائے گا اور گھر کے تمام معاملات میں اسی کی بات مانی جائے گی' جب ہماری پارلیمنٹ میں بھی اس کی بڑائی کو تسلیم کیا جائے گا اور کوئی قانون اس کی شریعت کے خلاف نہیں بن سکے گا' جب ہماری عدالتوں میں بھی اس کی بڑائی کا ڈنکا بجے گا اور تمام فیصلے اسی کے احکامات کی روشنی میں کیے جائیں گے۔ غرض جب تک ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اور ہر کہیں اس کا حکم آخری حکم کے طور پر تسلیم نہیں کیا جائے گا' اللہ کی تکبیر کا حق ادا نہیں ہوگا۔ اللہ کے احکام کو عملی طور پر نافذ نہ کرنے والوں کے لیے سورۃ المائدۃ کا یہ حکم بہت واضح ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۴۴ ...... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۴۵ ...... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۴۷﴾۔

آج ہم نے اللہ کو (نعوذ باللہ) اپنے تئیں مسجدوں میں بند کر دیا ہے کہ اے اللہ آپ یہیں رہیں' ہم یہیں پر آ کر آپ کی تکبیر کے ترانے گائیں گے' آپ کی تسبیح و تحمید کریں گے ـــــ لیکن مسجد سے باہر ہماری مجبوریاں ہیں۔ کیا کریں مارکیٹ میں مالی مفادات کے ہاتھوں مجبور ہیں' گھر میں بیوی بڑی ہے' کسی اور جگہ کوئی اور بڑا ہے۔ ایسے حالات میں ہمارے ہاں اللہ کی تکبیر کا مفہوم ہی بدل کر رہ گیا ہے اور اب تکبیر فقط دو الفاظ (اللہ اکبر) پر مشتمل ایک کلمہ ہے' جسے زبان سے ادا کر دیں تو گویا اللہ کی بڑائی کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى وايّاكم بالآيات والذّكر الحكيم

حُسنِ تہذیب اور حُسنِ سلوک

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کا ۲۲ فروری ۲۰۰۸ء کا خطابِ جمعہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ —— بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرۃ)

وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ (النساء:۱۲۵)

عَنْ اَبِیْ یَعْلٰی شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رضی اللہ عنہ ، عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ :

((اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ ، فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ ، وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ، وَلْیُحِدَّ اَحَدُکُمْ شَفْرَتَهٗ ، وَلْیُرِحْ ذَبِیْحَتَهٗ)) (۱)

سیدنا ابویعلیٰ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے' پس جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو بھی اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ تمہیں چاہیے کہ اپنی چھری کو خوب تیز کر لو اور ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔''

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ جُنْدُبِ بْنِ جُنَادَةَ وَاَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ :

((اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُمَا کُنْتَ، وَاَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ

(۱) صحیح مسلم' کتاب الصید والذبائح وما یؤکل من الحیوان' باب الامر باحسان الذبح والقتل وتحدید الشفرة۔ وسنن النسائی' کتاب الضحایا' باب الامر باحداد الشفرة۔

بِخُلُقٍ حَسَنٍ)) (۱)

سیدنا ابوذر جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ اور ابوعبدالرحمٰن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھا کرو اور گناہ کے بعد نیکی کر لیا کرو' وہ نیکی اس گناہ کو مٹا ڈالے گی۔ اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو۔''

معزز سامعین کرام!

امام یحییٰ بن شرف الدین النووی رحمۃ اللہ علیہ کے شہرۂ آفاق مجموعۂ احادیث ''اربعین'' کے سلسلہ وار مطالعہ کے ضمن میں آج ہم حدیث نمبر سترہ اور اٹھارہ کا مطالعہ کریں گے۔ ان احادیث کا شمار بھی جوامع الکلم میں ہوتا ہے —— حضور اکرم ﷺ نے اپنے کلام کے بارے میں خود یہ فرمایا: ((اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ)) کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہایت جامع کلمات عطا ہوئے ہیں۔ یعنی حضور ﷺ کے کلام کی خاصیت یہ ہے کہ مختصر ترین الفاظ میں معانی اور ہدایت کا گویا سمندر پنہاں ہے۔ اس ضمن میں یہ حقیقت ذہن نشین رہے کہ قرآن مجید سب سے اعلیٰ کلام ہے اور اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ))(۲) یعنی بہترین کلام قرآن مجید ہے' اور پھر اس کے بعد نمبر ہے حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے کلام کا۔

ہر چیز پر احسان کا لزوم

ہمارے زیر مطالعہ آج کی پہلی حدیث میں ''احسان'' کا لفظ آ رہا ہے اور اسی مناسبت سے میں نے دو آیات آپ کے سامنے پڑھی ہیں۔ عام طور پر ہمارے ذہن میں احسان کا مفہوم یہ آتا ہے کہ کسی کے ساتھ کوئی اچھا برتاؤ کرنا' کسی پر کوئی احسان کرنا وغیرہ۔ اردو میں یہ لفظ صرف اسی معنی میں مستعمل ہے' لیکن عربی میں اس لفظ کے اور بھی کئی معانی ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ زیادہ تر بطور اصلاح کے آیا ہے اور اس کے معنی

(۱) سنن الترمذی' ابواب البر والصلة' باب ما جاء فی معاشرة الناس۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب الجمعة' باب تخفیف الصلاة والخطبة۔

ہیں: انتہائی خوبصورتی کے ساتھ کسی کام کو انجام دینا۔ چنانچہ احسانِ اسلام کا مفہوم یہ ہوگا کہ کسی شخص کا اسلام بہت خوبصورت ہو جائے‘ دلفریب ہو جائے‘ اس میں خوبیاں موجود ہوں‘ اس کے اندر روشنی پائی جائے‘ تو یہ گویا اسلام کا احسان ہو گیا۔

زیر مطالعہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل ہوا ہے: ((اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ)) ’’بے شک اللہ تعالیٰ نے واجب کر دیا ہے ہر شے میں احسان کو‘‘۔ یعنی جو کام بھی کرو دل لگا کر‘ خوبصورت سے خوبصورت انداز میں اور اچھے سے اچھے طریقے پر کرو تاکہ بہتر سے بہتر نتائج حاصل ہو سکیں۔ دنیوی کام ہو تو اس کے اندر بھی دل لگانا چاہیے‘ نیم دلی کے ساتھ کوئی کام نہیں کرنا چاہیے۔ حلال ذریعے سے کمانا ہے تو دل لگا کر اور محنت سے کماؤ‘ اس میں کوئی حرج نہیں ہے‘ بلکہ اس حوالے سے تو حضور اکرم ﷺ نے یہاں تک فرما دیا:

((اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ)) (۱)

’’امانت دار سچا تاجر (قیامت کے دن) انبیاء‘ صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔‘‘

اس اعتبار سے دنیا کا کام بھی عمدگی سے کرنا چاہیے۔ پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ دنیا اور دین کی تقسیم ایک سطح پر آ کر ختم ہو جاتی ہے اور وہاں پہنچ کر دنیا اور دین ایک ہو جاتے ہیں۔ جب آپ دنیا کا کام بھی دین کے طریقے پر کر رہے ہوں اور آپ کا اصل مقصود و مطلوب آخرت ہی ہو تو پھر وہ دنیا‘ دنیا نہیں رہتی‘ بلکہ عین دین اور عین عبادت بن جاتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص حلال کمائی کی کوشش کر رہا ہے تو وہ بھی عبادت اور باعث ثواب ہے۔ اس لیے کہ اُس نے اپنے نفس کا ایک حق جائز طریقے سے ادا کیا اور نفس کے حقوق کے ضمن میں رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان بہت مشہور ہے: ((اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا))(۲) ’’یقیناً تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے‘‘۔ اب تمہارے جسم و جان کے جو تقاضے ہیں ان کو بھی اگر جائز طریقے سے پورا کرو گے تو وہ عین عبادت بن جائیں گے اور اس پر ثواب ملے گا۔

(۱) سنن الترمذی‘ ابواب البیوع‘ باب ما جاء فی التجار وتسمیة النبی ایاھم۔

(۲) سنن الترمذی‘ ابواب الزھد‘باب منه۔ وسنن ابی داؤد‘ کتاب الصلاۃ‘ باب ما یؤمر به من القصد فی الصلاۃ۔

اس پر بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حیرت کے ساتھ پوچھا تھا: یا رسول اللہ! ہم اپنے نفس کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اپنی بیویوں سے جواز دواجی تعلقات قائم کرتے ہیں کیا اس پر بھی ہمیں اجر و ثواب ملے گا؟ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہی کام تم کسی غلط طریقے سے کرتے تو تمہیں اس کی سزا ملتی یا نہ ملتی؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس پر سزا تو ملتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم صحیح اور جائز طریقے سے کر رہے ہو تو اس پر تمہیں اجر بھی ملے گا۔

اسلام‘ ایمان اور احسان

احسان کے حوالے سے حدیثِ جبریل کے ضمن میں‘ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ جو تین بنیادی اصطلاحات: اسلام‘ ایمان اور احسان حدیثِ جبریل میں آئی ہیں تو وہ ایک اعتبار سے نیچے سے اوپر کا درجہ ہے‘ بایں طور کہ اسلام سے اوپر ایمان کا درجہ ہے اور ایمان سے اوپر احسان کا۔ جبکہ ایک اعتبار سے وہ اوپر سے نیچے جا رہا ہے‘ یعنی اسلام میں ایمان ابھی صرف اقرار باللسان تک ہے۔ ایمان میں وہ گہرا ہو کر نیچے جا کر قلب کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے اور احسان میں وہ یقین اتنا گہرا ہو جاتا ہے جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یقین کی گہرائی کہاں تک ہے‘ اس کے ضمن میں میں نے آپ کو پنجابی صوفی شاعر سلطان باہو کا ایک شعر سنایا تھا کہ ؎

دل دریا سمندروں ڈونگے
کون دلاں دیاں جانے ہو!

یہ دل جو ایک ’’مُضْغَة‘‘ یعنی گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں نظر آ رہا ہے‘ یہ تو جسمانی دل ہے جبکہ روحانی دل جو حقیقت میں روح کا مسکن ہے‘ اس کا تو آپ اور میں اندازہ بھی نہیں کر سکتے‘ اس لیے کہ اس دل میں اللہ سما جاتا ہے۔ ایک حدیث قدسی بیان کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((لَمْ يَسَعْنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَوَسِعَنِيْ قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ)) (۱)

(۱) تخریج الاحیاء للعراقی: ۱۸/۳۔

''میں نہ تو اپنی زمین میں سما سکتا ہوں اور نہ اپنے آسمان میں' لیکن میں اپنے بندۂ مؤمن کے دل میں سما جاتا ہوں۔''

چونکہ اس دل کا گہرا تعلق ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ہے' لہٰذا اس کی گہرائی کا آپ اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔ اس اعتبار سے ایمان گہرا سے گہرا ہو کر جب اس انتہا کو پہنچ جائے کہ ایمان بالغیب ایسے ہو جائے جیسے کسی شے کو اپنی آنکھوں کے دیکھنے سے ایمان و یقین پیدا ہوتا ہے' تو وہ احسان ہے۔

اب نماز کی مثال لیجیے۔ ایک مسلمان نماز پڑھ رہا ہے' اس نے جو رکوع و سجود کیا ہے اس کا بھی پورا حق ادا نہیں کیا ہے' لیکن بہرحال رکوع کیا ہے' قیام کیا ہے' سجدہ کیا ہے' جبکہ دل کسی اور دھندے میں مگن ہے' دماغ کی چکی کچھ اور ہی آٹا پیس رہی ہے تو فقہی اعتبار سے نماز ہو گئی اور اسلام کا تقاضا پورا گیا۔ لیکن اسی نماز میں اگر دل کے یقین کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اس میں خوبصورتی اور حسن پیدا ہو جائے گا اور یہ ''احسان الصلاۃ'' ہو جائے گا۔ یہ گویا نماز کو خوبصورت بنا دینا ہے۔ اور اگر معاملہ اس سے بھی اوپر چلا جائے' یعنی ایمان و یقین اتنا گہرا ہو جائے کہ یہ کیفیت پیدا ہو جائے ((كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ)) کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو یا کم سے کم تمہیں یہ یقین ہو کہ میں اللہ کے حضور میں ہوں اور اللہ مجھے دیکھ رہا ہے' پھر اُس وقت نماز کی کیفیت وہ ہو گی جسے ''اَلصَّلَاةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ'' کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ نماز تو اہلِ ایمان کے لیے معراج کے درجے میں ہے۔ یہ اصل میں نماز کے درجات ہیں۔ ظاہری شکل تو نماز کی وہی رہے گی' درجہ احسان تک نماز بھی وہی رہے گی' وہی قیام ہو گا' وہی رکوع ہو گا' وہی سجود ہو گا' وہی کچھ پڑھا جائے گا' لیکن اس ظاہری شکل میں یکسانیت کے باوجود یقین کی کیفیت کے درجات کی وجہ سے زمین و آسمان کا فرق واقع ہو جائے گا۔

حسنِ تہذیب اور اس کی چند مثالیں

زیر مطالعہ حدیث کے ابتدا میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ)) کہ اللہ تعالیٰ نے ہر معاملے میں خوبصورتی اور اچھا انداز

اختیار کرنا واجب قرار دیا ہے۔ یہ چیز اسلامی معاشرے میں ایک خاص قسم کی تہذیب سے پیدا ہوتی ہے اور یہ تہذیب ہے: ''تہذیبِ نفس''' یعنی ہر کام کو کرنے میں بہتر سے بہتر شکل اختیار کرنے کی کوشش کرنا۔ اسی سے معاشرے کے اندر خوبیاں پروان چڑھتی ہیں اور اسی سے بھلائیوں کی ترقی ہوتی ہے۔

آگے رسول اللہ ﷺ نے احسان اور حسن تہذیب کی چند مثالیں بیان کرتے ہوئے فرمایا: ((فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ)) ''پس اگر تم کسی کو قتل کرو تو عمدگی کے ساتھ قتل کرو''۔ یہ نہ ہو کہ مارنا آپ نے کہیں تھا' مگر آپ کے اناڑی پن کی وجہ سے وار کہیں پڑ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جلاد ایک پیشہ ہے اور یہ ہر کسی کے بس کا روگ نہیں ہے۔ فرض کیجیے کسی شخص کو قصاص میں قتل کیا جانا ہے یا وہ مرتد ہو گیا اور اسے ارتداد کی سزا کے طور پر قتل کیا جانا ہے تو یہ قتل کرنا بھی ایسے ہو کہ ایک ہی وار میں گردن دھڑ سے الگ ہو جائے اور اس کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔ اس ضمن میں مجھے جگر کا شعر یاد آ گیا۔

میں چوٹ بھی کھاتا جاتا ہوں اور قاتل سے بھی کہتا جاتا ہوں
توہین ہے دست و بازو کی وہ وار کہ جو بھرپور نہ ہو!

ایک ہی وار میں گردن اڑا دینا' یہ ایک پروفیشنل آدمی ہی کر سکتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی کو قتل بھی کرنا ہے تو عمدگی کے ساتھ کرو تاکہ مقصد بھی پورا ہو جائے اور اس کو تکلیف بھی کم سے کم ہو' اس لیے کہ ان سزاؤں میں مجرم کو تکلیف دینا مقصود نہیں ہوتا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے یہ سزائیں دنیا والوں کے لیے عبرت کے طور پر رکھی ہیں کہ کوئی شخص اگر قاتل ہے تو وہ اس طور سے سرِعام سب کے سامنے قتل ہو کہ بہت سے لوگ اُس کو دیکھ کر سبق اور عبرت حاصل کریں اور معاشرے سے ناحق قتل کا خاتمہ ہو جائے۔

دوسری مثال آپ ﷺ نے یہ بیان فرمائی: ((وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ)) ''اور جب (کسی جانور کو) ذبح کرنے لگو تو بڑی خوبصورتی کے ساتھ ذبح کرو''۔ آگے اس کی مزید وضاحت کر دی: ((وَلْيُحِدَّ اَحَدُكُمْ شَفْرَتَهٗ وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهٗ)) ''اور تم میں سے ایک شخص (جو ذبح کر رہا ہو) کو چاہیے کہ وہ اپنی چھری کو تیز کرے اور اپنے ذبیحہ

کو آرام پہنچائے‘‘۔ یہ نہ ہو کہ کُند چُھری آپ کسی جانور کے گلے پر چلا رہے ہوں۔ ظاہر بات ہے کہ جانور کی بھی نفسیات ہے‘ اس کے بھی احساسات ہیں۔ آپ اگر اس کے ساتھ دھینگا مشتی کر رہے ہیں اور آپ کی چھری کاٹ ہی نہیں رہی تو یہ اس پر ظلم ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے یہ تعلیم فرمائی کہ جانور کو ذبح کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اپنی چھری کو تیز کرے۔ بکری کا گوشت آپ نے کھانا ہے‘ وہ آپ کے لیے حلال اور جائز ہے‘ لیکن اس بکری کو ذبح کرتے ہوئے یہ دھیان رہے کہ اسے کم سے کم تکلیف ہو۔

حدیث کے راوی صحابہؓ کا تعارف

اب اٹھارہویں حدیث کی طرف آتے ہیں۔ یہ حدیث دو صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ ایک تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے بارے میں یہ نوٹ کر لیجیے کہ یہ درویش صحابہ اور فقرائے صحابہ میں سے تھے اور ان کے فقر اور ان کی سچائی کی گواہی نبی اکرم ﷺ نے دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا أَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا أَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ مِنْ ذِی لَهْجَةٍ أَصْدَقَ وَلَا أَوْفَى مِنْ أَبِی ذَرٍّ شِبْهِ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ))(۱)

’’آسمان کے زیر سایہ اور روئے زمین پر کوئی شخص ابوذر سے زیادہ زبان کا سچا اور بات کا پکا نہیں ہے۔ ابوذر (اپنے زُہد اور دنیا سے بے رغبتی میں) حضرت عیسیٰ بن مریم کے مشابہ ہیں۔‘‘

ایک موقع پر آپ ﷺ نے حضرت ابوذرؓ کے بارے میں فرمایا:

((مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى شَبِيْهِ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ عليه السلام خَلْقًا وَخُلُقًا فَلْيَنْظُرْ اِلٰى اَبِیْ ذَرٍّ))(۲)

’’جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ وہ صورت و سیرت کے اعتبار سے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی شبیہہ کو دیکھے تو وہ ابوذرؓ کو دیکھ لے۔‘‘

(۱) سنن الترمذی‘ ابواب المناقب‘ باب مناقب ابی ذر رضی اللہ عنہ۔

(۲) مجمع الزوائد للهيثمی: ۳۳۳/۹‘ راوی: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى تَوَاضُعِ عِيْسٰى فَلْيَنْظُرْ اِلٰى اَبِیْ ذَرٍّ))(۱)

’’جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد و تقویٰ دیکھے تو وہ ابوذر کو دیکھ لے۔‘‘

آپ کو معلوم ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا زُہد و تقویٰ انتہائی درجے کا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے دل میں خواہش ہو اور وہ یہ دیکھنا چاہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کتنے زاہد تھے تو وہ میرے اس ساتھی ابوذر کو دیکھے۔ یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے اندر بھی زہد اس درجے کا تھا جس درجے کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تھا۔

اس حدیث کے دوسرے راوی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ بھی صحابہ کرامؓ میں بہت نمایاں ہیں۔ ان کا شمار فقہائے صحابہؓ میں ہوتا ہے اور ان کے بارے میں حضور ﷺ کا قول افعل التفضیل (انتہائی مبالغے) کے صیغے میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ))(۲) ’’میرے صحابہ میں حلال اور حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا معاذ بن جبل ہے۔‘‘

جہاں کہیں بھی ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو!

زیر مطالعہ حدیث دو عظیم المرتبت صحابہؓ سے مروی ہے‘ لہٰذا اس اعتبار سے اس حدیث کی اہمیت بھی زیادہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ((اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ)) ’’جہاں کہیں بھی ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو‘‘۔ ((وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا)) ’’اور برائی کے بعد نیکی ضرور کرو تاکہ وہ برائی کو مٹا دے‘‘۔ یعنی اگر تم سے کسی برائی کا صدور ہو جائے تو فوراً اس کے پیچھے کوئی نیکی کا کام کرو تاکہ وہ نیکی اس برائی کو محو کر دے اور تمہارے نامہ اعمال سے اس کو دھو دے۔ ((وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ)) ’’اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آیا کرو‘‘۔ یہ وہی تہذیب ہے جس کا میں نے

(۱) الجامع الصغير للسيوطی: ۸۷۴۸۔

(۲) سنن الترمذی‘ ابواب المناقب‘ باب مناقب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ.....

ماقبل ذکر کیا تھا۔ یہ اصل میں اسلامی تہذیب وتمدن کے خدوخال کا حسن ہے جو اس قسم کی احادیث پر عمل کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

اب اس حدیث کے مندرجات کا ذرا تفصیلی مطالعہ کرتے ہیں۔ حدیث کے آغاز میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ)) کہ جہاں کہیں بھی ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اس سے پہلے تقویٰ کے حوالے سے وہ حدیث بھی میں آپ کو سنا چکا ہوں جس میں رسول اللہ ﷺ نے تین ''مُنْجِیَات'' (نجات دینے والی باتوں) میں سے آخری شے: ((خَشْيَةُ اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ)) فرمائی' یعنی ''اللہ کے خوف اور تقویٰ کو لازم پکڑو چاہے آپ خلوت میں ہوں یا جلوت میں''۔ چاہے آپ علی اعلان کوئی کام کر رہے ہیں جسے دنیا دیکھ رہی ہے یا آپ تنہائی میں کوئی کام کر رہے ہیں جہاں سوائے اللہ کے دیکھنے والا کوئی نہیں ہے۔ ان دونوں صورتوں میں تقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ مجمع میں کام کر رہے ہوں گے تو آپ کو یہ بھی خیال آئے گا کہ لوگ دیکھ رہے ہیں' لہٰذا میں کام ٹھیک کروں۔ آپ کی نیت میں ریاکاری نہ بھی ہو تب بھی کسی نہ کسی درجے میں فطری طور پر یہ بات آپ کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے! لیکن آپ تنہائی میں ہیں اور وہاں اگر آپ بہترین انداز اختیار کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ واقعتاً تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کی جڑیں آپ کی شخصیت کے اندر جمی ہوئی ہیں۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جہاں کہیں بھی ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اگر کوئی برائی ہو جائے تو فوراً اس کے بعد نیکی کرو جو اس کو مٹا دے گی۔

غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں پر عتاب

میں چاہتا ہوں کہ سورۃ التوبہ میں جو بات آئی ہے' اس کے حوالے سے اس کو سمجھ لیں۔ سورۃ التوبہ میں بیان ہوا ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد حضور ﷺ نے غزوہ میں پیچھے رہ جانے والوں سے جواب طلبی بھی کی اور بعض صحابہؓ کو سزا بھی دی جو بغیر کسی عذر کے نہیں گئے تھے۔ منافقین نے تو جھوٹے بہانے بنا لیے اور حضور ﷺ نے بھی گویا ان کو اہمیت نہیں دی اور آپؐ نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے' یہ نہیں کہا

کہ تم جھوٹ بول رہے ہو! یہ حضور ﷺ کی مروت تھی' شرافت تھی' آپؐ کا اخلاقِ حسنہ تھا۔ لیکن تین اصحاب (کعب بن مالک' ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن الربیع رضی اللہ عنہم) ایسے تھے جنہوں نے مان لیا کہ ہمارا کوئی عذر نہیں تھا' بس ہمارے نفس نے ہمیں بہکایا اور ہم اس غزوہ میں نہ جا سکے۔

ان میں سے ایک صحابی حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا واقعہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے جو کتب احادیث اور تفاسیر میں منقول ہے۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! جس قدر میں خوشحال اور مالدار اس وقت تھا اتنا پہلے کبھی نہیں تھا۔ یعنی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے پاس زادِ راہ نہیں تھا یا میرے پاس سواری نہیں تھی۔ اسی طرح جتنا میں صحت مند اس وقت تھا اتنا میں اس سے پہلے نہیں تھا۔ اس سب کچھ کے باوجود میرے نفس نے مجھے یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ تو ابھی روانہ ہو رہے ہیں اور تیس ہزار کا لشکر ساتھ ہے۔ لشکر تو آہستہ آہستہ چلے گا' جبکہ تمہاری اونٹنی بڑی تیز رفتار ہے اور تم ایک دو دن بعد بھی اگر روانہ ہو گے تب بھی تم حضور ﷺ سے جا ملو گے۔ ایسا نہیں ہے کہ ان کا ارادہ نہ جانے کا تھا' بلکہ وہ جانا چاہتے تھے' بس نفس کے دھوکے میں آ کر انہوں نے ایک آدھ دن آرام کے بعد جانے کا فیصلہ کیا۔ اگلے دن نفس نے پھر یہی کہا کہ ابھی حضور ﷺ کو وقت لگے گا' لہٰذا تم ایک دو دن اور آرام کر لو' بعد میں تنہا تیزی کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ان کے ساتھ شامل ہو جانا۔ اگلے روز پھر یہی ہوا اور اس کشمکش میں کئی دن گزر گئے۔ چند دن کے بعد انہیں احساس ہوا کہ اب تو میں جتنا بھی تیز جاؤں حضور ﷺ تک نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا آپؓ گھر بیٹھے رہے اور انہوں نے اپنی اس کوتاہی کو مان لیا۔ پھر بعد میں انہیں سزا بھی دی گئی۔ ☆

اہلِ ایمان کی درجہ بندی میں ''السابقون الاولون'' کا بلند مقام

سورۃ التوبہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اہل ایمان کی ایک تقسیم بھی

☆ محترم ڈاکٹر صاحب نے ان تینوں اصحاب کو ملنے والی سزا کا ذکر بیان القرآن' سورۃ التوبہ کی آیت ۱۰۶ کے ضمن میں بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں: ⇦

مذکور ہے۔ سب سے اوپر ہیں: ﴿السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ یعنی مہاجرین اور انصار میں سے جو سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ اب انصار کے السابقون الاولون، مہاجرین کے السابقون الاولون سے کم از کم دس پندرہ برس بعد کے لوگ ہیں، اس لیے کہ وہاں ایمان تو پہنچا ہی بہت دیر میں ہے۔ لیکن یہاں پہلے یا بعد میں آنے کا اعتبار زمانی لحاظ سے نہیں ہے، بلکہ اصل میں یہ ایک کیفیت ہوتی ہے کہ جیسے ہی بات سامنے آئے فوراً مان لینا۔ اسی کا نام صِدّیقیت ہے۔ لہٰذا جس طرح مہاجرین میں صدیق صحابہ تھے اسی طرح سے انصار میں بھی صدیق صحابہ تھے، اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس کی بہت بڑی مثال ہیں۔ چنانچہ مہاجرین اور انصار السابقون الاولون کے درجے میں برابر ہو جائیں گے۔

پھر ان کے ساتھ وہ لوگ بھی شامل ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ ''اور وہ

⇦ ''ان تینوں حضرات کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص ان تینوں سے بات نہ کرے اور یوں ان کا مکمل طور پر معاشرتی مقاطعہ (social boycott) ہو گیا، جو پورے پچاس دن جاری رہا۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں اس دوران ایک دن انہوں نے اپنے چچازاد بھائی اور بچپن کے دوست سے بات کرنا چاہی تو اس نے بھی جواب نہ دیا۔ جب انہوں نے اس سے کہا کہ اللہ کے بندے تمہیں تو معلوم ہے کہ میں منافق نہیں ہوں تو اس نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ چالیس دن بعد حضور ﷺ کے حکم پر انہوں نے ابھی بیوی کو بھی علیحدہ کر دیا۔ اسی دوران والیٔ غسان کی طرف سے انہیں ایک خط بھی ملا، جس میں لکھا تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کے ساتھی آپ پر ظلم ڈھا رہے ہیں، آپ باعزت آدمی ہیں، آپ ایسے نہیں ہیں کہ آپ کو ذلیل کیا جائے، لہٰذا آپ ہمارے پاس آ جائیں، ہم آپ کی قدر کریں گے اور اپنے ہاں اعلیٰ مراتب سے نوازیں گے۔ یہ بھی ایک بہت بڑی آزمائش تھی، مگر انہوں نے وہ خط تنور میں جھونک کر شیطان کا یہ وار بھی ناکام بنا دیا۔ ان کی اس سزا کے پچاسویں دن ان کی معافی اور توبہ کی قبولیت کے بارے میں حکم نازل ہوا (آیت ۱۱۸) اور اس طرح اللہ نے انہیں اس آزمائش اور ابتلا میں سرخرو فرمایا۔ بائیکاٹ کے اختتام پر ہر فرد کی طرف سے ان حضرات کے لیے خلوص و محبت کے جذبات کا جس طرح سے اظہار ہوا اور پھر ان تینوں اصحابؓ نے اپنی آزمائش اور ابتلا کے دوران اخلاص و استقامت کی داستان جس خوبصورتی سے رقم کی، یہ ایک دینی جماعتی زندگی کی مثالی تصویر ہے۔''

لوگ جنہوں نے ان کی پیروی کی احسان کے ساتھ''۔ یعنی یہ لوگ فوری طور پر تو ایمان نہیں لائے، انہیں ایمان لاتے لاتے کچھ وقت تو لگ گیا، لیکن ان کا ایمان بھی خالص تھا اور وہ بڑے خلوص اور قلب و ذہن کی ہم آہنگی کے ساتھ ایمان لائے۔ اس اعتبار سے (۱) السابقون الاولون، اور (۲) متبعین باحسان تو سب سے اونچے مقام پر ہو گئے اور ان دونوں گروہوں کے لیے ہی اللہ ربّ العزت نے فرمایا:

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾ (التوبۃ)

''اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، اور اس نے ان کے لیے وہ باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔''

سب سے نچلا طبقہ منافقین کا ہے!

اعلیٰ ترین مراتب والے اصحاب کے ذکر کے بعد اگلی آیت میں بالکل نچلی سطح کے لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے اور وہ درجہ ہے منافقین کا۔ ان کے بارے میں فرمایا: ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ﴾ ''اور تمہارے گرد و نواح کے بعض دیہاتی منافق بھی ہیں'' ــــ منافقین بعض اوقات یہ کرتے تھے کہ حضور ﷺ سے کہتے کہ ہم سے کوئی صدقہ وصول کر لیں یا ہم سے چندہ لے لیں اور ہمیں اس جہاد پر جانے سے مستثنیٰ کر دیں ــــ واضح رہے کہ غزوۂ تبوک سے پہلے کسی غزوہ کے لیے نفیر عام نہیں تھی، یعنی یہ نہیں تھا کہ ہر مسلمان لازمی نکلے، لہٰذا غزوۂ تبوک سے پہلے اگر ان منافقین کی طرف سے کوئی صدقہ یا کوئی نفقہ پیش کیا جاتا تو حضور اکرم ﷺ اسے قبول کر لیتے تھے، لیکن غزوۂ تبوک کے بعد حضور ﷺ کو ان منافقین کے صدقات قبول کرنے سے روک دیا گیا۔ فرمایا: ﴿قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝﴾ (اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے چاہے دلی آمادگی کے ساتھ خرچ کرو یا مجبوری سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ تم نافرمان لوگ ہو'' ــــ یعنی تمہارا جو طرزِ عمل ہے اس نے

ثابت کر دیا ہے اور اب اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی ہے کہ تم یقیناً سرکش‘ باغی اور فاسق لوگوں میں سے ہو۔ اس سے اگلی آیت میں فرمایا: ﴿وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ﴾ ’’اور نہیں روکا ہے کسی چیز نے ان کے صدقات ونفقات کو قبول کیے جانے سے‘ مگر اس لیے کہ حقیقت میں وہ کفر کر چکے ہیں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ۔‘‘

میں بارہا مختلف مواقع پر تفصیل سے یہ بیان کر چکا ہوں کہ منافقین کے بارے میں تدریجاً معاملہ آگے بڑھا ہے — ہم دیکھتے ہیں کہ سورۃ البقرۃ میں لفظ منافق اور نفاق نہیں ہے‘ وہاں صرف مرض کا ذکر ہے۔ فرمایا: ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴿۱۰﴾﴾ ’’ان کے دلوں میں (نفاق کا) مرض تھا‘ پس اللہ نے ان کا مرض اور زیادہ کر دیا۔ اب اُن کے جھوٹ بولنے کے سبب دُکھ دینے والا عذاب اُن کا مقدر ہے‘‘۔ یعنی یہاں یہ بتا دیا کہ ان کے دلوں میں ایک روگ اور مرض ہے‘ لیکن واضح نہیں کیا کہ یہ منافقت ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں ایک جگہ لفظ ’’نفاق‘‘ آ گیا‘ لیکن سورۃ النساء میں بڑی تفصیل سے بات ہوئی ہے۔ وہاں یہ بھی فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا کوئی عمل قابل قبول نہیں ہے‘ اس لیے کہ ان کا طرزِ عمل یہ ہے: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا﴿۱۴۲﴾﴾ ’’منافق (ان چالوں سے اپنے تئیں) اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور (یہ منافق اللہ کو کیا دھوکہ دیں گے‘ بلکہ) وہ انہی کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے۔ اور جب یہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر (صرف) لوگوں کو دکھانے کو اور اللہ کی یاد نہیں کرتے مگر بہت کم‘‘۔ یعنی ان لوگوں کا معاملہ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کا دروازہ اگرچہ بالکل بند نہیں کیا گیا لیکن یہ بتا دیا گیا کہ اب معاملہ سخت ہو جائے گا۔ جبکہ سورۃ التوبہ میں آ کر کہہ دیا گیا کہ اب ان کے لیے توبہ کا دروازہ مکمل طور پر بند ہو چکا ہے اور اب حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا استغفار بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ فرمایا:

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ﴾ (آیت ۸۰) ’’(اے نبی ﷺ! برابر ہے کہ) آپ ان کے لیے استغفار کریں یا ان کے لیے استغفار نہ کریں۔ اگر آپ ستّر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کریں گے تب بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا‘‘۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو منافقین کے حق میں استغفار کرنے سے روک دیا گیا۔ اس ضمن میں جہاں تک سورۃ التوبہ کا معاملہ ہے تو اس میں گویا مہر ثبت کر دی گئی کہ بظاہر یہ مسلمان بنے ہوئے ہیں لیکن حقیقت کے اعتبار سے ان کا پردہ چاک ہو چکا ہے اور یہ پکے منافق ہیں۔ لہٰذا اب ان سے کوئی صدقات اور نفقات قبول نہیں ہوں گے اور آخرت میں ان کا انجام بدترین ہوگا: ﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴿۱۰۱﴾﴾ ’’ہم انہیں دوہرا عذاب دیں گے پھر وہ لوٹا دیے جائیں گے ایک بہت بڑے عذاب کی طرف۔‘‘

درمیانی درجہ: ضعیف الایمان مسلمان

دیکھئے اہلِ ایمان کی درجہ بندی کے اعتبار سے السابقون الاولون اور متبعین احسان ٹاپ پر ہیں اور سب سے نیچے منافقین ہیں‘ جبکہ ان کے درمیان میں ایک درجہ ہے جنہیں ہم ’’ضعیف الایمان‘‘ کہہ سکتے ہیں۔ اب ایمان کا یہ ضعف مستقل بھی ہو سکتا ہے اور عارضی بھی۔ یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت کسی مسلمان کے ایمان میں ضعف پیدا ہو جائے‘ جیسے کہ میں نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کی روداد آپ کے سامنے بیان کر دی کہ نفس انہیں بہلاتا رہا کہ کوئی بات نہیں‘ ابھی دو تین دن اپنے نخلستان کی چھاؤں اور گھر کی آسائشوں سے فائدہ اٹھا لو‘ پھر تم تیزی کے ساتھ چلنا اور حضور ﷺ سے جا ملنا۔ ان کے اندر منافقت ہرگز نہیں تھی‘ لیکن ان کا ایمان تو کمزور ہوا ہے۔ وہ تین حضرات جنہوں نے مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ کر اپنا قصور مان لیا اور کہا کہ اگرچہ ہم بھی زبان رکھتے ہیں اور ہم بھی باتیں بنا سکتے ہیں — جیسے منافقین جھوٹے بہانے بنا بنا کر جا رہے تھے اور حضور ﷺ اُن کے جھوٹ کو جانتے ہوئے بھی اپنی شرافت اور مروّت کے تحت انہیں کچھ نہیں کہہ رہے تھے — یہ

سب ہم بھی کر سکتے ہیں‘ لیکن ہم ایسا نہیں کریں گے‘ اس لیے کہ آج ہم آپ کو اگر کسی طریقے سے راضی کر بھی لیں گے تو کل اللہ کے سامنے کیا جواب دیں گے! تو ایسے ضعیف الایمان اشخاص کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے: ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ﴾ (آیت ۱۰۲) ’’اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں اور انہوں نے اچھے اور برے اعمال کو گڈمڈ کر دیا ہے‘‘ —— یوں سمجھئے کہ ہم میں سے بہترین لوگ بھی درحقیقت ضعیف الایمان والے درجے میں آئیں گے اور بہت ہی کم ہوں گے جو اس سے اوپر کے دو درجات یعنی السابقون الاولون اور متبعین احسان میں شامل ہوں۔ ہم میں سے اکثر کا شمار اسی درجے میں ہے‘ بایں طور کہ ہمیں اپنی غلطیوں‘ کوتاہیوں اور کمزوریوں کا اعتراف ہے۔ پھر یہ کہ اگر کوئی برے کام ہم سے صادر ہوتے ہیں تو اچھے اور بھلے کاموں کی بھی اللہ توفیق دیتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ بہت اہم آیت ہے۔

آگے فرمایا: ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ ’’قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول فرمائے گا‘‘۔ اس کا دوسرا ترجمہ یوں ہوگا: ’’قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی کمال رحمت کے ساتھ متوجہ ہو جائے گا‘‘ —— توبہ کے لغوی معنی پلٹنے کے ہیں اور توبہ کا معاملہ دوطرفہ ہوتا ہے۔ ایک تو بندہ اپنے گناہوں کی وجہ سے توبہ کرتا ہے۔ گویا اس نے اللہ کی طرف سے پیٹھ پھیر لی تھی اور دوسری طرف رخ کر لیا تھا۔ اب وہ توبہ کرتا ہے‘ پلٹتا ہے‘ استغفار کرتا ہے‘ معافی چاہتا ہے‘ اور اپنی خطا کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ کی طرف دوبارہ اپنا رخ کرتا ہے۔ جب اُس نے اللہ تعالیٰ سے رخ موڑ لیا تھا تو اللہ نے بھی اپنی رحمت کا رخ موڑ دیا تھا‘ اب اس کی جانب رحمتِ الٰہی کا رخ نہیں رہا تھا۔ جب بندہ پھر اپنی توجہ اللہ کی طرف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی رحمت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا توبہ کا معاملہ یک طرفہ نہیں‘ بلکہ دوطرفہ ہے۔ چنانچہ ’’تَوَّاب‘‘ کا لفظ اللہ کے لیے بھی آیا ہے اور بندے کے لیے بھی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بیان کی گئی ہے: ﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾﴾ (البقرۃ) ’’یقیناً وہ تو بہت توبہ قبول کرنے والا‘ بہت رحم فرمانے

والا ہے‘‘۔ اسی طرح بندے کے لیے بھی ’’تَوَّاب‘‘ کا لفظ آیا ہے۔ فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾﴾ (البقرۃ) ’’یقیناً اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ کرنے والوں اور بہت زیادہ پاک بازی اختیار کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے‘‘۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((كُلُّ بَنِيْ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ))(۱) ’’تمام بنی آدم انتہائی خطا کار ہیں اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہیں‘‘ —— دیکھئے غلطیاں تو ہر ایک انسان سے ہوتی ہیں اور انسان کی تو تعریف ہی یہ ہے کہ: اَلْاِنْسَانُ مُرَكَّبٌ مِّنَ النِّسْيَانِ وَالْخَطَاِ۔ یعنی بھول چوک اور خطا یہ دونوں چیزیں انسان کی سرشت کے اندر موجود ہیں‘ لیکن بہترین خطا کار وہ ہیں جو بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہیں۔

ضعیف الایمان مسلمانوں سے صدقہ قبول کرنے کا حکم

ضعیف الایمان مسلمانوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً .....﴾ (التوبۃ:۱۰۳) ’’(اے نبی ﷺ!) ان کے اموال میں سے صدقہ قبول کر لیجیے.....‘‘ منافقین کے بارے میں تو رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اب ان کی طرف سے کوئی صدقہ‘ کوئی نفاق‘ کوئی چندہ قبول نہ کیجیے‘ اس لیے کہ اب طے ہو چکا ہے کہ ان کے اوپر اسلام کا صرف لیبل لگا ہوا ہے جبکہ حقیقت کے اعتبار سے یہ لوگ کفر میں داخل ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ جو اہلِ ایمان اچھے کام بھی کرتے ہیں اور کچھ برے بھی تو آپؐ ان کے اموال میں سے صدقہ قبول کر لیجیے‘ اس لیے کہ یہ جو صدقہ دے رہے ہیں یہ خلوصِ دل کے ساتھ دے رہے ہیں۔ آگے فرمایا: ﴿تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ ’’اس (صدقے) کے ذریعے سے آپ ان کو پاک کر دیں گے اور ان کا تزکیہ بھی کریں گے‘‘۔ یعنی کسی غلطی اور کوتاہی کی وجہ سے جو بھی کدورت یا کوئی سیاہی آ گئی تھی یا دل پر کوئی داغ لگ گیا تھا تو وہ صاف ہو جائے گا‘ دھل جائے گا۔ ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ﴾ ’’اور ان کے لیے دعا بھی کیجیے (یعنی ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت بھی

(۱) سنن الترمذی‘ ابواب صفة القيامة والرقائق والورع۔ وسنن ابن ماجه‘ كتاب الزهد‘ باب ذكر التوبة۔

طلب کیجیے اور استغفار بھی کیجیے)۔ یقیناً آپؐ کا دعا کرنا ان کے لیے تسکین کا موجب ہو گا''۔ یعنی جب وہ دیکھیں گے کہ اللہ کے نبی نے ہمارے لیے دعا کی ہے تو یہ ان کے زخموں کے اوپر مرہم رکھنے کے مترادف ہو جائے گا۔

زیر مطالعہ حدیث میں بھی فرمایا گیا کہ جب بھی کبھی غلطی ہو جائے' خطا ہو جائے اور کوئی گناہ کا ارتکاب ہو جائے تو فوری طور پر توبہ بھی کرو اور کسی نیک کام کا اہتمام بھی کرو — اب یہ نیک کام صدقہ ہے' خیرات ہے' نوافل ہیں یا کسی اور طرح سے دین کی خدمت کے اندر وقت لگانے کا معاملہ ہے —— اس سے یہ ہو گا کہ جو بھی خرابی ہوئی ہے وہ محو ہو جائے گی۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا بہت امید افزا قول ہے :((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ))(۱) ''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں''—— اسلام میں تو توبہ کا دروازہ اتنا کشادہ ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا اگر حقیقی مفہوم میں توبہ کر رہا ہے تو وہ بالکل ایسے ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں' بلکہ سورۃ الفرقان میں تو یہاں تک آتا ہے : ﴿فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ﴾ (آیت ۷۰) کہ جو شخص صحیح معنی میں توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال سے گناہوں کی وجہ سے لگنے والے سیاہ دھبے دھو کر ان کی جگہ پر نیکیوں کا اندراج کر دیتا ہے۔

ہر ایک سے حسن اخلاق سے پیش آنا!

تیسری بات اس حدیث میں یہ بیان کی گئی : ((وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ)) ''اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آیا کرو''۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے چند سوالات دریافت کیے۔ جب میں نے سوال کیا کہ سب سے افضل ایمان کون سا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا:((خُلُقٌ حَسَنٌ))(۲) ''(وہ ایمان سب سے افضل ہے) جس کے ساتھ اخلاقِ حسنہ (یعنی لوگوں کے ساتھ خوبصورتی کے ساتھ پیش آنا) شامل ہو''۔ حضرت

(۱) سنن ابن ماجه' كتاب الزهد' باب ذكر التوبة۔

(۲) مجمع الزوائد للهيثمي: ۵۹/۱ و ۶۶/۱۔

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:((مَا شَيْءٌ اَثْقَلُ فِيْ مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ))(۱) ''قیامت کے روز بندۂ مؤمن کے نامہ اعمال میں حسن اخلاق سے زیادہ کوئی عمل بھاری نہیں ہو گا''۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((تَبَسُّمُكَ فِيْ وَجْهِ اَخِيْكَ لَكَ صَدَقَةٌ))(۲) ''تمہارا اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا بھی تمہارے لیے صدقہ ہے''۔ یعنی اگر تم اپنے بھائی سے متبسم چہرے کے ساتھ گفتگو کرتے ہو یا کوئی شخص آیا ہے اور آپ نے تبسم کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اس سے اس کا بھی دل کھل اٹھا تو یہ بھی ایک قسم کا صدقہ ہے۔ اس کے برعکس اگر آپ کسی کی آمد پر ''عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا'' بنے بیٹھے رہے اور اسے کوئی خوش آمدید اور اَهْلًا وَسَهْلًا بھی نہ کیا تو اسے بھی افسوس ہو گا کہ میں خواہ مخواہ ادھر آ گیا ہوں۔ اور اگر آپ تبسم کے ساتھ' خوشدلی کے ساتھ' اچھے انداز میں اسے خوش آمدید کہیں گے' اُس کا استقبال کریں گے تو یہ حسنِ اخلاق میں سے ہے اور اس پر آپ عنداللہ ماجور بھی ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں تو یہاں تک آتا ہے کہ اگر کوئی آپ ﷺ سے مصافحہ کرتا تھا تو آپ ﷺ اس کا ہاتھ اس وقت تک نہیں چھوڑتے تھے جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑے' اس لیے کہ ہاتھ کھینچ لینا مروت و شرافت کے خلاف ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص آپؐ کی طرف متوجہ ہوتا تھا یا آپؐ سے گفتگو کرتا تھا تو آپؐ پوری طرح مڑ کر اس کی بات سنتے تھے۔ یہ نہیں کہ بس ذرا سا رخ ادھر کر لیا' اس لیے کہ اس میں بھی ایک طرح کا تکبر مضمر ہوتا ہے۔

اخلاقِ حسنہ کی اہمیت

اسلامی تعلیمات میں اخلاقِ حسنہ کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اس ضمن میں ایک حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ حضرت

(۱) سنن الترمذی' ابواب البر و الصلة' باب ما جاء فی حسن الخلق۔

(۲) سنن الترمذی' ابواب البر و الصلة و الآداب' باب ما جاء فی صنائع المعروف۔

عائشہؓ کے حجرے میں تھے کہ آپ کو بتایا گیا کہ فلاں شخص آیا ہے۔ آپؐ نے اس کو اندر بلا لیا—— ظاہر بات ہے وہ حجرہ تو ایک ہی ہوتا تھا' لہٰذا کسی ملاقاتی کے آنے پر حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ پیٹھ کر لیتی تھیں اور چادر اپنے اوپر لے لیتی تھیں—— حضور ﷺ نے بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ اسے خوش آمدید کہا اور اس سے بڑے اچھے طریقے سے گفتگو کی۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہؓ نے کہا: یارسول اللہ! آپ تو اس شخص کے بارے میں بہت بری باتیں بھی بتاتے رہے ہیں کہ اس میں یہ خرابی ہے' یہ خرابی ہے اور دوسری طرف آپؐ نے اس کا بہت اچھے طریقے سے استقبال کیا ہے' اس کے ساتھ بہت محبت سے گفتگو کی ہے اور اس کا عمدہ اکرام کیا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا جو بھی معاملہ ہے' اس کے جو بھی کرتوت ہیں' ان کی وجہ سے میں خوش اخلاقی کو کیوں ترک کر دوں؟

زیر مطالعہ حدیث میں بھی یہی فرمایا گیا: ((خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ)) کہ لوگوں کے ساتھ بہترین انداز میں رہو' اخلاقِ حسنہ اور شائستگی کا دامن ہمیشہ تھامے رکھو۔ یہ انداز ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے —— اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حدیث ''حسن'' ہے اور بعض نسخوں میں آیا ہے کہ ''حسن صحیح'' ہے' یعنی حسن سے بھی اونچا درجہ ہو گیا۔ تو یہ حدیث بہت مستند احادیث میں سے ہے —— اللہ تعالیٰ ہمیں ان چیزوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو ان احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔ آمین یاربّ العالمین!

اقول قولی هذا واستغفر اللّٰه لی ولکم ولسائر المُسلمین والمُسلمات

(مرتب: حافظ محمد زاہد' ادارتی معاون)

❁ ❁ ❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اَلدُّنْیَا یَوْمٌ وَلَنَا فِیْهِ صَوْمٌ

حافظ انجینئر عمیر انور ☆

تفسیر نیسابوری اور تفسیر حقّی دونوں میں سورۂ مریم کی آیت ۲۶ کی تفسیر کے ضمن میں علماء کی جانب نسبت کرتے ہوئے‘ جبکہ تفسیر مظہری اور معارف القرآن (مؤلفہ: مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) میں سورۃ الحشر کی آیت ۱۸ کی تفسیر کے ضمن میں حدیثِ نبوی ﷺ کی حیثیت سے وہ قول نقل کیا گیا ہے جسے اس تحریر کے عنوان کی حیثیت سے درج کیا گیا ہے۔ اس قول کا مطلب ہے: ’’ساری دنیا ایک دن ہے اور اس دن میں ہمارا روزہ ہے‘‘۔ اس جملے میں دو باتیں انتہائی قابلِ غور ہیں:

(۱) پورے دنیوی عرصۂ حیات کو بس ایک دن کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔

(۲) اس دورانیہ میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے بندوں کی کیفیت روزہ دار کی سی ہوتی ہے۔

اگر ان دو باتوں پر قرآن وسنت کی روشنی میں غور کیا جائے تو ہماری عبرت ونصیحت کے لیے سامانِ وافر دستیاب ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ!

۱۔ صرف ایک دن کی زندگی

انسانی زندگی کی طوالت پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسانی زندگی ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ اس کی وسعتوں کا کوئی اندازہ نہیں۔ یہ انسانی ارواح کی پیدائش سے کسی نہ کسی شکل میں جاری وساری ہے اور آخرت میں حساب وکتاب اور نتائج کے اعلان کے بعد ابدالآباد تک جاری رہے گی۔ بقولِ شاعر ؎

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں‘ پیہم دواں‘ ہر دم جواں ہے زندگی!

لیکن اسی حیاتِ انسانی کے ایک خاص اور نتائج کے اعتبار سے اہم ترین حصے یعنی حیاتِ دنیوی

☆ استاذ‘ قرآن اکیڈمی ڈیفنس‘ کراچی۔ UmairAnwar@QuranAcademy.com

پر غور کیا جائے کہ جس پر اس کی حیاتِ برزخی اور حیاتِ اُخروی کا دارومدار ہوگا‘ تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ عرصہ عجیب وغریب کیفیات کا حامل ہے۔ انسانوں کی اکثریت اس کی اصل حقیقت اور کیفیت نہیں پہچان پاتی اور اس کے بارے میں مختلف مغالطوں اور دھوکوں کا شکار ہو جاتی ہے‘ جس کے نتیجے میں ایسی موہوم راہوں میں الجھ کر اپنی منزل کھوٹی کر بیٹھتی ہے جو ہمیشہ ہمیش کی ناکامی وخُسران کا باعث ہو جایا کرتی ہیں۔ انہی غلط فہمیوں کو رفع کرنے کے لیے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے کلام میں کئی ایک مقامات پر مختلف طریقے اور انداز اختیار فرما کر انسانوں کو اصل حقیقت سے روشناس کراتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ الحشر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾﴾ (الحشر)

’’اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہر ایک جان کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے‘ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ یقیناً اس سے پوری طرح باخبر ہے۔‘‘

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

’’اس آیت میں قیامت کو لفظ غد سے تعبیر کیا جس کے معنی ہیں آنے والی کل‘ اس میں تین چیزوں کی طرف اشارہ ہے‘ اوّل پوری دنیا کا بمقابلہ آخرت نہایت قلیل ومختصر ہونا ہے کہ ساری دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایک دن کی مثال ہے..... دوسرا اشارہ اس میں قیامت کے یقینی ہونے کی طرف ہے‘ جیسے آج کے بعد کل کا آنا امر یقینی ہے‘ کسی کو اس میں شبہ نہیں ہوتا‘ اسی طرح دنیا کے بعد قیامت وآخرت کا آنا یقینی ہے۔ تیسرا اشارہ اس طرف ہے کہ قیامت بہت قریب ہے۔ جیسے آج کے بعد کل کچھ دور نہیں‘ بہت قریب سمجھی جاتی ہے‘ اسی طرح دنیا کے بعد قیامت بھی قریب ہے۔ اور قیامت ایک تو پورے عالم کی ہے جب زمین وآسمان سب فنا ہو جائیں گے‘ وہ بھی اگرچہ ہزاروں لاکھوں سال کے بعد ہو مگر بمقابلہ مدت آخرت کے بالکل قریب ہی ہے‘ دوسری قیامت ہر انسان کی اپنی ہے جو اس کی موت کے وقت آ جاتی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُهٗ یعنی جو شخص مر گیا اس کی قیامت تو ابھی قائم ہوگئی‘ کیونکہ قبر ہی سے عالمِ آخرت کے آثار شروع ہو جاتے ہیں اور عذاب وثواب کے نمونے سامنے آ جاتے ہیں۔‘‘

اس تشریح میں بہت اہم امور کی وضاحت ہوگئی۔ سب سے پہلی بات یہ کہ دنیوی زندگی

جسے بالعموم انسان بہت طویل سمجھتا ہے‘ دراصل انتہائی قلیل ہے۔ اگر اس سوال پر غور کیا جائے کہ انسان کی دنیوی زندگی کتنی طوالت کی حامل ہے تو بالعموم ذہنوں میں جو بات آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس بات سے لاعلم ہیں کہ کسی انسان کی دُنیوی زندگی کتنی مدت کو محیط ہے۔ لیکن قرآنِ حکیم میں بیان شدہ حقائق کی روشنی میں غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس سوال کے جواب میں ہمارا طرزِ فکر کیا ہونا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی دنیوی زندگی صرف ایک دن یا اس دن کے کسی ایک حصے جتنی طویل ہوا کرتی ہے اور یہ دن بھی وہی دن ہوا کرتا ہے جو کہ فی الوقت اس کی زندگی میں موجود ہے۔ گویا ہر روز ہماری زندگی اُس ایک دن پر مشتمل ہوا کرتی ہے جو کہ ہم گزار رہے ہوتے ہیں۔ اس کی دو بڑی بڑی وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ کہ ہماری زندگیوں کا جو حصہ گزر چکا ہے وہ کبھی لوٹ کر واپس نہیں آ سکتا۔ پھر اس گزرے ہوئے وقت کے بارے میں ایک نمایاں حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا وقت اور گزری ہوئی زندگی ہر انسان کو صرف ’ایک دن یا دن کے ایک حصے کی مانند‘ معلوم ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اسی حقیقت کا اظہار ان آیات میں ہوا ہے جو سورۃ المؤمنون کے آخری رکوع میں وارد ہوئی ہیں:

﴿قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَاۗدِّيْنَ ﴿١١٣﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١١٤﴾﴾

’’(پھر اللہ تعالیٰ ان سے) پوچھے گا: بتاؤ تم کتنے سال زمین میں رہے؟ وہ کہیں گے: یہی کوئی ایک دن یا اس کا کچھ حصہ‘ اور یہ بات تو شمار کرنے والوں سے پوچھئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: واقعی تم تھوڑا ہی عرصہ وہاں ٹھہرے تھے‘ کاش تم یہ بات (اس وقت بھی) جانتے ہوتے!‘‘

اہلِ جہنم کے اس جواب سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس دنیوی زندگی کو وہ بہت ہی پائیدار اور طویل سمجھ رہے تھے اور جس کے ناجائز مفادات اور فانی لذات و سامانِ تعیش کی خاطر وہ ایمان و اعمالِ صالحہ کی دولت کو سمیٹنے اور اس دن کی تیاری کر لینے سے غافل رہے‘ یہی زندگی اب انہیں محض ایک دن یا اس کے کچھ حصے جتنی مختصر محسوس ہو رہی ہوگی۔

اسی طرح آخرت کو نہ ماننے والے کفار کے بارے میں فرمایا:

﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿٤٦﴾﴾ (النّٰزعٰت)

’’جب وہ اسے دیکھیں گے تو انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہ (دنیا میں) بس ایک پچھلا یا پہلا پہر ٹھہرے تھے۔‘‘

جبکہ سورۂ یونس میں اسی کیفیت کا ذکر یوں فرمایا:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ﴾ (آیت ۴۵)

’’اور جس دن اللہ انہیں جمع کرے گا (تو وہ یوں محسوس کریں گے) جیسے (دنیا میں) دن کی صرف ایک ساعت ہی رہے ہوں۔‘‘

گزرے ہوئے وقت کی اس صفتِ اختصار اور موجودہ وقت کے بہاؤ کی سرعت کو ہر انسان انصاف سے غور کرنے پر بآسانی محسوس کر سکتا ہے۔ دوسری وجہ کہ جس کی بدولت دنیوی زندگی کی طوالت محض ایک دن یا اس کے ایک حصے جتنی سمجھی جانی چاہیے وہ یہ کہ انسان کا مستقبل اس لحاظ سے انتہائی غیر یقینی ہوا کرتا ہے کہ اس کے پاس اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ مستقبل میں آنے والا وقت یا دن اسے اپنی زندگی میں دیکھنا نصیب بھی ہوگا یا نہیں۔ ممکن ہے کہ آنے والا دن اس کی زندگی میں موت کا پیغام لے کر آ رہا ہو اور اسے اس کی کوئی خبر ہی نہ ہو۔ اس بات کو آخر کس بنیاد پر یقینی سمجھا جا سکتا ہے کہ اسے اپنی زندگی میں ایک اور دن عافیت کے ساتھ گزارنا نصیب ہو سکے گا۔ اس لیے حقیقت یہی ہے کہ انسان کی زندگی ہر روز صرف اسی ایک دن پر مشتمل ہوا کرتی ہے جو کہ اس کی زندگی میں موجود ہے۔ اس بات کا تیقّن حاصل کر لینے کے بعد انسان کو اپنی دنیوی زندگی کے بارے میں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے‘ اس بات کی وضاحت حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ارشادِ مبارک میں یوں فرمائی ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبَعْضِ جَسَدِيْ فَقَالَ: ((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ ، وَعُدَّ نَفْسَكَ فِي اَهْلِ الْقُبُوْرِ)) فَقَالَ لِي ابْنُ عُمَرَ: اِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالْمَسَاءِ، وَاِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالصَّبَاحِ ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ قَبْلَ سَقَمِكَ ، وَمِنْ حَيَاتِكَ قَبْلَ مَوْتِكَ ، فَاِنَّكَ لَا تَدْرِي يَا عَبْدَ اللّٰهِ مَا اسْمُكَ غَدًا(۱)

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے بدن کا ایک حصہ پکڑ کر فرمایا: ’’دنیا میں کسی مسافر یا کسی راہ گیر کی طرح رہو اور خود کو قبر والوں میں شمار کرو‘‘۔ (حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ) پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ سے فرمایا: ’’جب تمہیں صبح نصیب ہو جائے تو شام کا بھروسہ نہ کرو اور جب شام میسر آ جائے تو صبح کا انتظار نہ کرو۔ بیماری آنے سے پہلے صحت سے اور موت آنے سے پہلے زندگی سے فائدہ حاصل کرو‘

(۱) سنن الترمذی، ابواب الزھد، باب ما جا فی قصرِ الاملِ ۔

کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ کل تمہارا شمار کن میں ہوگا (زندوں میں یا مُردوں میں)!''

حضرت رسول اللہ ﷺ کے الفاظِ مبارکہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دنیا کو اپنا اصلی وطن اور اصل ٹھکانہ سمجھنا خام خیالی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس کے اختصار اور ناپائیدار ہونے کی کیفیت کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ارشاد میں یوں بیان فرمایا:

((وَاللّٰهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ اِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ اِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ تَرْجِعُ اِلَيْهِ))(۲)

''دنیا کو آخرت کے ساتھ صرف اتنی ہی نسبت ہے جتنی تم میں سے کسی شخص کی انگلی سمندر میں ڈوبنے پر قطرے کو سمندر سے ہوتی ہے' کہ جب وہ یہ انگلی ڈبوتا ہے تو باہر نکال کر دیکھے کہ اس پر کتنا پانی لگا ہے۔''

یہی موازنہ دنیا اور آخرت کی زندگی کے بارے میں انسان کے پیشِ نظر رہنا چاہیے۔ دنیا کے عارضی ہونے کا یقین کر لینے کے بعد اس کیفیت کو یوں اپنے اوپر طاری کر لینا چاہیے کہ انسان اپنے آپ کو ان میں سے شمار کرنا شروع کر دے جو اس دنیا سے جا چکے ہیں۔ جس طرح ان کا اپنے مال سے' اپنی جائیداد سے' اپنے گھر اور گھر والوں سے' اپنے رشتے داروں اور دوسرے متعلقات سے رشتہ ٹوٹ چکا ہے اسی طرح اس کا بھی ان تمام سے یہ رشتہ ٹوٹا ہی چاہتا ہے۔ جس طرح وہ یہ سب کچھ اسی فانی دنیا میں چھوڑ کر کسی اور عالَم کی طرف سدھار چکے ہیں اسی طرح اس کی روانگی کا وقت بھی آیا ہی چاہتا ہے۔ اسی کے نتیجہ میں اس بات کا امکان ہوا کرتا ہے کہ انسان کا دل دنیا کی محبت سے فارغ ہو جائے۔ اس کے بعد وہ یکسوئی کے ساتھ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت وفرمانبرداری اور آخرت کی تیاری کی طرف متوجہ ہو سکے گا۔ لیکن انسانوں کی اکثریت کا المیہ یہ ہے کہ وہ اس اظہر من الشمس حقیقت کا ادراک نہیں کر پاتے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ ہر گزرنے والا دن انہیں ان کی موت سے قریب تر کرتا چلا جا رہا ہے' پھر آج کے بعد کل کا دن دیکھنے کا موقع ملنا بھی انتہائی غیر یقینی ہے' لیکن اس کے باوجود اکثر و بیشتر انسان اس دنیا کے ساتھ ہی چمٹے رہنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ارشاد میں انسان کی عجیب وغریب نفسیات کو بڑی خوبصورتی سے واضح فرمایا ہے:

((يَكْبَرُ ابْنُ آدَمَ وَيَكْبَرُ مَعَهُ اثْنَانِ: حُبُّ الْمَالِ وَ طُوْلُ الْعُمُرِ))(۳)

(۲) مسند احمد، مسند الشامیین، حدیث المستورد بن شداد رضی اللّٰہ عنہ

(۳) صحیح البخاری، کتاب الرقائق، باب من بلغ سِتین سنة فقد اعذر اللّٰہ اِلیہِ فِی العمر.....

''آدمی بڑا ہو جاتا ہے (یعنی اس کی عمر بڑھتی جاتی ہے) اور اس کے ساتھ دو چیزیں بڑی ہوتی جاتی ہیں: (۱) مال کی محبت (۲) عمر کی درازی (کی خواہش)۔''

اگرچہ انسان اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہر گزرتا ہوا لمحہ اس کی زندگی میں ہرگز کوئی اضافہ نہیں کر رہا بلکہ اس کی مہلتِ عمل کو برف کی طرح مسلسل پگھلا کر اختتام ہی کی جانب لے کر جا رہا ہے۔ بقولِ شاعر ؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

اس کے باوجود ناقابلِ یقین واقعہ یہ ہے کہ انسان اپنی عمر کی طوالت کی خواہش کے سحر میں نہ صرف گرفتار رہتا ہے بلکہ اپنے اس مفروضے کو ایک اٹل حقیقت مانتے ہوئے اپنے آپ کو پوری طرح مطمئن کر کے زندگی گزارتا چلا جاتا ہے۔ اس پر مزید حیرت انگیز امر یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے دل میں طویل زندگی کی خواہش مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ موت انتہائی ناگوار شے محسوس ہوا کرتی ہے اور اس کا تذکرہ تک سننا انسان کو گوارا نہیں ہوتا۔ قوم یہود بحیثیتِ مجموعی اسی کیفیت کا بدترین انداز میں شکار ہوئی' اسی لیے قرآن حکیم ان کی نفسیات یوں بیان فرماتا ہے:

﴿يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ (البقرۃ: ۹۶)

''ان میں سے ایک ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح ہزار برس جیے۔''

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان اپنی حیاتِ دنیوی کی طوالت کا کتنا ہی حریص ہو جائے' اپنے مستقبل کے لیے کیسے ہی لمبے چوڑے منصوبے تخلیق کر لے' کتنے ہی ہزار برس کا سامان جمع کر لے' غرض یہ کہ کیسا ہی ایڑی چوٹی کا زور لگا لے' موت اپنے طے شدہ وقت پر آ کر اس کی مہلتِ عمل کا خاتمہ کر کے رہتی ہے۔ اس سے بھاگنا بے سود اور لاحاصل ہے۔ دنیا کا کوئی مقام یا بچاؤ کی جگہ موت سے حفاظت کے لیے سپر کا کام نہیں دے سکتی۔ چنانچہ سورۃ الجمعہ میں یہود کو مخاطب کر کے یہی حقیقت بیان کر دی گئی:

﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ﴾ (الجُمعة: ۸)

''آپ ان سے کہیے: جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تو تمہیں آ کے رہے گی۔''

ایک اور مقام پر اسی حقیقت کا بیان یوں فرمایا:

﴿قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ﴾ (الاحزاب:۱۶)

''(اے نبی ﷺ!) ان سے کہو: اگر تم موت یا قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمہارے لیے کچھ بھی نفع بخش نہ ہوگا۔''

جبکہ سورۃ النساء (آیت ۷۸) میں بالکل دوٹوک انداز میں واضح فرما دیا کہ:

﴿اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ؕ﴾

''رہی موت، تو جہاں بھی تم ہو وہ بہرحال تمہیں آ کر رہے گی خواہ تم کیسی ہی مضبوط عمارتوں میں ہو۔''

گویا موت کا ٹھیک وقت پر وارد ہو جانا بالکل برحق ہے، لازم ہے، اٹل ہے اور شدنی ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود انسان کی غفلت کا عالم یہ ہے کہ وہ اکثر و بیشتر اس زندگی کی طوالت ہی کی خواہش کرتا رہتا ہے اور اسی فانی دنیا کو اپنا اصل وطن سمجھتے ہوئے ہمیشہ یہیں کا باسی بنا رہنا چاہتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا کلام یہ بات بالکل دوٹوک انداز میں واضح فرماتا ہے کہ اس کا موت سے یہ فرار اسے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا:

﴿وَجَآءَتْ سَکْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِکَ مَا کُنْتَ مِنْهُ تَحِیْدُ ﴿۱۹﴾﴾ (قٓ)

''اور یہ حقیقت کھولنے کے لیے موت کی بے ہوشی آ پہنچی، یہی وہ بات ہے جس سے تو (اے انسان) گریز کرتا رہا۔''

حقیقت تو یہی ہے یہاں کوئی انسان بھی ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا:

﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ ؕ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ﴾ (الانبیاء:۳۵)

''(اے نبی ﷺ!) آپ سے پہلے بھی ہم نے کسی انسان کے لیے دائمی زندگی تو نہیں رکھی۔ اگر آپ کو موت آ جائے تو کیا یہ ہمیشہ زندہ رہیں گے؟ ہر جاندار کو موت کا مزا چکھنا ہے۔''

یہی وہ حقیقت ہے جو قرآن حکیم ہمارے قلوب میں جاگزیں کرنا چاہتا ہے اور اسی کے نتیجے میں بندہ اپنا محاسبہ کرتے ہوئے اپنی توجہات آخرت کی تیاری اور کامیابی پر مرکوز کر دیتا ہے۔ اسی طرزِ عمل کو رسول اللہ ﷺ نے اصل عقل مندی قرار دیا ہے:

((اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰهِ)) ..... قَالَ وَمَعْنٰی قَوْلِهٖ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ یَقُوْلُ حَاسَبَ نَفْسَهُ فِی الدُّنْیَا قَبْلَ اَنْ یُحَاسَبَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَیُرْوٰی عَنْ عُمَرَ بْنَ

الْخَطَّابِ قَالَ حَاسِبُوْا اَنْفُسَکُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا وَتَزَیَّنُوْا لِلْعَرْضِ الْاَکْبَرِ وَاِنَّمَا یَخِفُّ الْحِسَابُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهُ فِی الدُّنْیَا (۴)

''عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو پہچانے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے جبکہ بے وقوف وہ ہے جو اپنے نفس کی پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھے''۔ (مَنْ دَانَ نَفْسَهُ) کا مطلب حسابِ قیامت سے پہلے نفس کا محاسبہ کرنا ہے۔ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''اپنے نفسوں کا محاسبہ کرو اس سے قبل کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے اور بڑی پیشی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ قیامت کے دن اس آدمی کا حساب آسان ہوگا جس نے دنیا ہی میں اپنا حساب کر لیا۔''

یہ تیاری اور محاسبہ ہم سب کو بغیر کوئی وقت ضائع کیے فوراً شروع کر دینا چاہیے۔ اپنی زندگی کا ہر دن اسی محاسبے اور تیاری کی کوششوں میں یہ سمجھتے ہوئے بسر کرنا چاہیے کہ یہ دن ہماری زندگی کا آخری دن ہے۔ اس کے بعد نہ جانے ایسا موقع مل بھی سکے گا یا نہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسی بات کی نصیحت ماقبل بیان کردہ حدیثِ مبارکہ کے راوی حضرت مجاہدؒ کو فرمائی تھی کہ اگر زندگی کے کسی دن صبح کا وقت دیکھنا نصیب ہو جائے تو نیک اعمال، سچی توبہ اور آخرت کی تیاری کی کوششوں کو شام تک مؤخر نہ کرو۔ اسی طرح شام کا وقت نصیب ہو جائے تو ان امور کو اگلی صبح کے لیے باقی نہ رکھ چھوڑو۔ نہ جانے زندگی میں اس صبح کے بعد کی شام یا شام کے بعد کی صبح میسر بھی آ سکے گی یا نہیں۔ ایک سچے مؤمن اور غافل انسان کی زندگیوں میں بنیادی طور پر اسی مثبت احساسِ عجلت (urgency) کی وجہ سے فکر و عمل کا فرق نمایاں طور پر نظر آ رہا ہوتا ہے۔ مؤمن اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کی قدر و قیمت اور اس سے پیدا ہونے والے نتائج سے بخوبی آگاہ ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ اس کا ایک لمحہ بھی کسی بے فائدہ کام میں صَرف نہیں کرتا (۵)۔ وہ اس حقیقت سے بھی خوب اچھی طرح واقف ہوا کرتا ہے کہ اس کا اصل سرمایہ اور اس کی اصل دولت مسلسل گھل کر ختم ہو رہی ہے اور اگر اس نے اس وقت کو آخرت کی تیاری میں لگا کر اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کی تو اسے ایک بہت بڑے خسارے اور گھاٹے کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ (۶)

---

(۴) سنن الترمذی، ابواب صفة القیامة والرقائق والورع باب منه۔

(۵) ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾﴾ (المؤمنون) ''اور جو بیہودہ باتوں سے دور رہتے ہیں۔''

(۶) ﴿وَالْعَصْرِ ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ﴿۲﴾﴾ (العصر) ''زمانے کی قسم۔ بلاشبہ انسان گھاٹے میں ہے۔''

وہ اس متاعِ وقت کے ایک ایک لمحے کو دنوں' اس کے ایک ایک منٹ کو مہینوں اور اس کے ایک ایک گھنٹے کو سالوں کے برابر گردانتے ہوئے اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوششوں میں لگا رہتا ہے۔ پھر ایسے ہی لوگوں کی پرخلوص محنتوں اور کاوشوں کی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بھی بھرپور پذیرائی فرمائے گا اور محض اپنے فضل وکرم اور عنایت سے انہیں معاف فرما کر اپنی رضا کے مقام جنت میں داخل فرما دے گا۔ اس جنت میں داخلے کے بعد ان خوش نصیبوں کو اپنے گزرے ہوئے وقت میں سے صرف ان گھڑیوں پر افسوس ہوگا جو اللہ کے ذکر کے بغیر گزری ہوں گی۔ (۷)

اس کے برعکس ایک غافل اور آخرت پر یقین نہ رکھنے والے انسان کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا وقت مسلسل غیر مفید کاموں یا دنیا کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی کوششوں میں کھپا دیتا ہے۔ آخرت کی تیاری سے غفلت برتتا ہے۔ جب کبھی آخرت کی یاددہانی یا کسی اچھی نصیحت یا دل پذیر وعظ کے نتیجے میں اس کا دل نرم پڑتا ہے اور اس کے باطن میں اپنی اصلاح کا داعیہ پیدا ہوتا ہے تو بدقسمتی سے ان اصلاحِ احوال کی کاوشوں کو زندگی کی طوالت کی امید پر مؤخر کرتے ہوئے مستقبل پر ٹالتا چلا جاتا ہے۔ کبھی اپنے موجودہ وقت اور اپنے آج سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی فوری اصلاح اور سچی توبہ کی طرف پیش قدمی نہیں کرتا' بلکہ اس کا نفس اس کو مستقبل کے حسین نقشے دکھا کر تھپکی دیتا ہے اور شیطان اسی غفلت کی نیند میں سلائے رکھنے کی کوششوں میں لگا رہتا ہے۔ اسی تاخیر اور ٹال مٹول کی روش میں ایک ایک کر کے دن پر دن' ہفتوں پر ہفتے' مہینوں پر مہینے اور سالوں پر سال گزرتے چلے جاتے ہیں' یہاں تک کہ اُس کی زندگی کا آخری دن آ جاتا ہے۔ اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے بعد اس کی زندگی میں اپنی اصلاح کے لیے مزید کوئی دن اور وقت بچا ہی نہیں ہے۔ وہ اسی طرح اپنی زندگی کی طوالت کی امید کے نشے میں مسحور ہو کر یہ دن بھی گزار رہا ہوتا ہے کہ اچانک موت اس کے سر پہ آ کھڑی ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی غافل انسان پھر موت کے وقت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے درخواستیں کرتے ہیں:

﴿رَبِّ لَوْ لَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝۱۰﴾

(المنافقون)

''اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی مدت اور کیوں مہلت نہ دی کہ میں صدقہ

(۷) ((لَیْسَ یَتَحَسَّرُ اَھْلُ الْجَنَّۃِ اِلَّا عَلٰی سَاعَۃٍ مَرَّتْ بِھِمْ لَمْ یَذْکُرُوا اللّٰہَ تَعَالٰی فِیْھَا)) ''جنت میں جانے کے بعد اہلِ جنت کو دنیا کی کسی چیز کا بھی افسوس نہیں ہوگا سوائے اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر گزر گئی''۔ (شعب الایمان للبیھقی، فصل فی ادامۃ ذکر اللّٰہ عزوجل، عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ)

کر لیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا۔''

اسی طرح ایک اور مقام پہ الفاظ آئے ہیں:

﴿حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝۹۹ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ﴾ (المؤمنون: ۱۰۰)

''(یہ لوگ اپنی کارستانیوں میں لگے رہیں گے) یہاں تک کہ ان میں سے کسی کو جب موت آئے گی تو کہے گا: پروردگار! مجھے دنیا میں واپس بھیج دے' جسے میں چھوڑ آیا ہوں' امید ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا۔''

لیکن اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں یہی جواب دیا جاتا ہے کہ:

﴿کَلَّا ؕ اِنَّھَا کَلِمَۃٌ ھُوَ قَآئِلُھَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝۱۰۰﴾

(المؤمنون)

''(اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:) ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا' یہ بس ایک بات ہوگی جسے اس نے کہہ دیا۔ اور ان (مرنے والوں) کے درمیان دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک ایک آڑ حائل ہوگی۔''

اور:

﴿وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا ؕ﴾ (المنافقون: ۱۱)

''حالانکہ جب کسی کی موت آ جائے تو پھر اللہ کسی کو ہرگز مہلت نہیں دیتا۔''

یہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا اٹل قانون ہے کہ انسان کی موت کا وقت آ چکنے کے بعد اسے کوئی مہلت نہیں دی جاتی۔ ایسے موقع پر وہ سارا مال' وسائل' جمع پونجی' خوبصورت گھر اور مکانات' رشتے دار' اہل وعیال' غرض کوئی شے' سوائے انسان کے عمل کے' اس کے ساتھ نہیں جاتی۔ (۸) یہ سب یہیں رہ جاتا ہے اور اسے ایک تاریک گھر میں خواہی نخواہی بالکل تنہا سکونت اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تلقین فرما رہے ہیں کہ موت سے پہلے زندگی سے اچھی طرح فائدہ اٹھا لینا' مبادا کل کو تم کفِ افسوس ملتے رہ جاؤ اور اس پچھتاوے کا اُس وقت

(۸) ((یَتْبَعُ الْمَیِّتَ ثَلَاثَۃٌ فَیَرْجِعُ اثْنَانِ وَیَبْقَی وَاحِدٌ یَتْبَعُہُ اَھْلُہُ وَمَالُہُ وَعَمَلُہُ فَیَرْجِعُ اَھْلُہُ وَمَالُہُ وَیَبْقَی عَمَلُہُ)) ''مرنے والے کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ پھر دو واپس آ جاتی ہیں جبکہ ایک چیز باقی رہ جاتی ہے۔ مرنے والے کے ساتھ اس کے گھر والے' اس کا مال اور اس کے عمل جاتے ہیں' اس کے گھر والے اور اس کا مال تو واپس آ جاتا ہے' اس کا عمل باقی رہ جاتا ہے''۔ (صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب، عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ)

کوئی فائدہ نہ ہو:

﴿یٰلَیۡتَنِیۡ قَدَّمۡتُ لِحَیَاتِیۡ ﴿۲۴﴾﴾ (الفجر)

''کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ پیشگی سامان کیا ہوتا!''

حضرت رسول اللہ ﷺ کا بھی ارشادِ گرامی ہے:

((اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سُقْمِكَ ، وَغِنَائَكَ قَبْلَ فَقْرِكَ ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ ، وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ)) (۹)

''تم پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو: اپنی جوانی کو ضعیفی سے پہلے' اپنی صحت کو بیماری سے پہلے' اپنی مالداری کو تنگ دستی سے پہلے' اپنی فرصت کو مشغولیت سے پہلے' اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے۔''

۲۔ پوری زندگی کا روزہ

اس کے بعد عنوان میں درج قول کی روشنی میں ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ اس حیاتِ دنیوی کو حالتِ روزہ میں گزارنے کا کیا مطلب ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی مشہور تحریر ''دو روزے'' سے چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

''روزے دو طرح کے ہیں' ایک چھوٹا روزہ ایک بڑا روزہ۔ چھوٹے روزے کی تحقیر مقصود نہیں' صرف زمانی اور وقتی لحاظ سے کہہ رہا ہوں۔ چھوٹا روزہ کتنا ہی بڑا ہو' ۱۳ گھنٹہ' ۱۴ گھنٹہ کا روزہ ہوگا' بعض ملکوں میں جہاں دن اس زمانہ میں بڑا ہوتا ہے اس سے کچھ زیادہ۔ یہ وہ روزہ ہے جو بلوغ پر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے' وہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور غروبِ آفتاب تک قائم رہتا ہے..... بڑا روزہ ہے: اسلام کا روزہ! اسلام خود ایک روزہ ہے اور یہ سب روزے اور عیدین بھی' بلکہ روزہ' نماز یہاں تک کہ جنت بھی' جو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا' وہ سب اس کے طفیل ہی ہے۔ اصل بڑا روزہ' اسلام کا روزہ ہے۔ وہ کب ختم ہوتا ہے' کب شروع ہوتا ہے' یہ بھی سن لیجیے۔ جو خوش قسمت انسان مسلمان گھر میں پیدا ہوا' اور وہ شروع سے کلمہ گو ہے' اس پر بلوغ کے بعد ہی یہ طویل مسلسل روزہ فرض ہو جاتا ہے' اور جو اسلام لائے' کلمہ پڑھے' یہ روزہ اس پر

(۹) المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب الرقاق، باب اغتنم خمسا قبل خمس.....

اسلام قبول کرنے کے وقت شروع ہوتا ہے۔ اور یہ روزہ کب ختم ہوگا' یہ بھی سن لیجیے۔ رمضان کا روزہ اور نفلی روزہ تو غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے' مگر اسلام کا روزہ تو آفتابِ عمر کے غروب ہونے پر ختم ہوگا..... اس چھوٹے روزہ کا حکم اور اس کی پابندیاں سب کو معلوم ہیں۔ سب روزہ دار کھانے پینے سے اور ان تمام چیزوں سے بچتے ہیں جو ممنوع ہیں' لیکن اس بڑے روزہ کا خیال بہت کم لوگوں کو ہے حالانکہ یہ روزہ ہم لوگوں کو اس بڑے روزہ کے طفیل ہی ملا ہے' اس بڑے روزہ کی برکت سے ملا ہے' یوں سمجھئے کہ اس بڑے روزہ کے انعام میں ملا ہے' اور عید بھی اسی روزے کے طفیل میں ملی ہے۔''

چھوٹے روزے یعنی رمضان المبارک کے روزے اور بڑے روزے یعنی زندگی بھر کے روزے کی حقیقت سمجھانے کے بعد مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اس بات کی وضاحت فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں روزے اور دیگر عبادات کی انجام دہی کے نتیجے میں ہماری زندگیوں پر کیا اثرات مرتب ہونے چاہئیں اور یہ کہ زندگی کس انداز میں گزرنی چاہیے۔

''رمضان ختم ہونے کے بعد آپ یہ نہ سمجھیں کہ چھٹی ہوگئی' اب ہم آزاد ہیں' جو چاہیں کریں۔ ہرگز ایسا نہیں' آپ بالکل آزاد نہیں ہیں۔ آپ کے گلے میں اسلام کا طوق پڑا ہوا ہے۔ آپ کی تختی' آپ کے شناختی کارڈ پر لکھا ہے کہ آپ مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اِس روزہ کا حساب ہوگا اور اُس روزہ کا بھی حساب و کتاب ہوگا۔ ہم نے آپ کے سامنے آیت پڑھی: ﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ﴾ ''میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا.....'' چاہے کوئی تبدیلی لانا چاہے' سلطنت کہے' بادشاہ کہے' کہ ایسا کرو اور ویسا کرو' بڑے سے بڑا مسلمان اور علم کا دعویٰ کرنے والا کہے' کچھ ہونے کو نہیں۔ جو چیز حرام ہے' قیامت تک حرام رہے گی۔ دنیا میں کسی کو یہ اجازت نہیں اور نہ اس کی مجال ہے کہ اس میں ترمیم کرے۔ شریعت میں اب کوئی ترمیم نہیں ہوسکتی۔ وہ چیزیں جو حرام ہیں' حرام ہی رہیں گی۔''

آگے چل کر اس بات کی وضاحت فرماتے ہیں کہ ہمارا تیقن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے بارے میں کس کیفیت کا حامل ہونا چاہیے اور کس طرح اسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا چاہیے:

''ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ اسلام کا روزہ ہے' ساری عمر کا روزہ ہے' کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ جو چیزیں حرام ہیں' حرام ہیں' غلط ہیں' غلط ہیں۔ عقیدہ خالص ہونا چاہیے۔ سمجھ

لیجیے‘ نہ کوئی قسمت بری بھلی بنا سکتا ہے‘ نہ کوئی آئی ہوئی بلا کو ٹال سکتا ہے‘ نہ اولاد دے سکتا ہے‘ نہ نوکری دلا سکتا ہے‘ کہ آپ کسی اور سے مانگیں۔ جو کچھ مانگنا ہو‘ اسی سے مانگیں جو سمیع و مجیب ہے‘ وہ فرماتا ہے: ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ۝﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے رسول ﷺ سے کہ بندہ تجھ سے میرے بارے میں پوچھے تو کہہ دیجیے کہ میں قریب ہی ہوں۔ دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ دعا کرے.....‘‘

اسی طرح آخر میں زندگی بھر کے روزے کا خیال رکھنے کی نصیحت یوں فرماتے ہیں:

’’آپ یہاں سے بڑے روزے کا خیال لے کر جایئے‘ خوش ہوئیے‘ اللہ کا شکر ادا کیجیے۔ یہ روزہ تو ختم ہو رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اور رمضان نصیب کرے۔ مگر زندگی کا کوئی اعتبار نہیں‘ صحت کا اعتبار نہیں۔ ہاں وہ مسلسل وطویل روزہ رہے گا‘ وہ روزہ مبارک ہو‘ اس روزہ کا خیال رکھیے‘ وہ روزہ نہ توڑیئے گا‘ وہ روزہ اگر ٹوٹا تو سب کچھ ٹوٹ گیا‘ سب کچھ بگڑ گیا۔ بس یہی دو روزے ہیں‘ ایک روزہ ہے قریب المیعاد‘ وہ ہے رمضان کا روزہ‘ اور وہ دن بھر کا روزہ ہے۔ ایک روزہ وہ ہے جو زندگی کے ساتھ رہے گا‘ اور مسلمانوں کے لیے جب سے وہ بالغ ہوا‘ اس دن تک جب تک سانس اور جان میں جان ہے‘ اور وہ شخص جس نے اسلام قبول کیا اس کا بھی جب تک بدن میں اس کے جان اور روح ہے‘ اس وقت تک باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے کہ ہم اس روزے کو برقرار رکھیں‘ اس روزے کی حفاظت کریں اور قدر کریں‘ اور اس روزے پر جئیں اور مریں۔‘‘

ان چیدہ چیدہ اقتباسات سے اس بڑے اور طویل روزے کی تشریح ہوگئی کہ جس کی پابندیوں اور آداب کا ہمیشہ خیال رکھتے ہوئے ہم سب کو اپنی زندگیاں گزارنی چاہئیں۔

اسی کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اپنی تفسیر ’’معارف القرآن‘‘ میں سورالبقرۃ کی آیت ۱۸۸ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

’’گزشتہ آیات میں روزہ اور دعا کا ذکر تھا۔ اس آیت میں حرام مال کے کھانے کی ممانعت ہے۔ اشارہ اِس طرف ہے کہ روزہ اور دعا کی قبولیت کے لیے اکلِ حلال شرط ہے۔ نیز پہلے افطار اور سحری کا ذکر تھا۔ اِس آیت میں اِس طرف اشارہ فرمایا کہ افطار اور سحری حلال روزی سے ہونا چاہیے۔ نیز اصلی مقصود روزہ سے طہارتِ نفس ہے‘ تو

جب طہارتِ نفس کے لیے روزہ میں حلال مال کے استعمال کی اجازت نہ رہی تو حرام مال کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ حلال مال سے روزہ تو صرف تیس دن کا ہے اور حرام مال سے روزہ مدت العمر کے لیے ہے یعنی ساری عمر کا صومِ وصال ہے۔‘‘

حرفِ آخر

محترم قارئین! ہماری زندگیاں اب ایک اور ماہِ رمضان المبارک سے ہمکنار ہو رہی ہیں۔ اس عظیم قول سے‘ جس کی وضاحت اس تحریر میں کرنے کی کوشش کی گئی ہے‘ یہ بات ہمارے سامنے مبرہن ہو جانی چاہیے کہ ہم اس ماہِ مبارک کو اپنے لیے آخری اور سنہری موقع سمجھتے ہوئے گزاریں۔ اس کے ایک ایک لمحے کی قدر کریں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے اپنے قصور معاف کروا لینے کی بھرپور کوشش کریں۔ دن کے روزے کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں‘ جبکہ رات کو زیادہ سے زیادہ وقت قیام وتلاوت اور دعا ومناجات میں صَرف کریں۔ اپنی زندگی کی طوالت کی موہوم امید پر اس عظیم موقع کو ضائع کر دینے کی عظیم حماقت سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں۔ پھر اس ماہِ مبارک میں ہمیں اللہ کا جو قرب نصیب ہو اس کا اظہار بقیہ زندگی میں بھی عملی اصلاح اور سچی توبہ کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے نظر آئے۔ اللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِھٰذا۔

اپنی تنبیہ اور عبرت کے لیے ہمیں مستدرک حاکم میں وارد ہونے والے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشادِ مبارک کو بھی سامنے رکھنا چاہیے جس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی اس بددعا کے جواب میں کہ وہ شخص تباہ و برباد ہو جائے جو اپنی زندگی میں رمضان المبارک کا مہینہ پالے پھر اس میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے اپنی بخشش ومغفرت نہ کرالے‘ آپ ﷺ نے آمین فرمایا ہے۔ بقولِ شاعر ؎

اس آرزو کے باغ میں آیا نہ کوئی پھول
اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گزر گئے!

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس محرومی سے محفوظ فرمائے اور اپنی عنایتوں اور رحمتوں سے خوب بہرہ ور فرمائے۔ آمین!

ایں کتاب بے نیست چیزے دیگر است!

مدثر رشید

یہ رمضان المبارک کی ایک بابرکت رات تھی‘ جب کائنات نے ایک غیر معمولی واقعہ کا مشاہدہ کیا۔ لوحِ محفوظ جس کا یہ مقام ہے کہ اس تک رسائی عام فرشتوں کو بھی نہیں اور جس کو محض خاص الخاص فرشتے ہی چھو سکتے ہیں‘ اس کا ایک جزو اس رات آسمانِ دنیا پر نازل ہو رہا تھا۔ گویا مخلوقِ الٰہی کو یہ شرف بخشا جا رہا تھا کہ کلامِ الٰہی ان کے مابین ظہور پذیر ہو۔ یہ عظیم رات شبِ قدر تھی جس میں کلامِ الٰہی قرآن مجید کی صورت میں آسمانِ دنیا پر نازل ہوا‘ اور پھر رفتہ رفتہ یہاں سے قلبِ محمد ﷺ پر ۲۳ برسوں میں اُترتا رہا اور جو آج کتابی شکل میں ہمارے مابین موجود ہے۔

اس کتاب کی عظمت کو سمجھنے کے لیے دو قسم کے تعلقات اور ان کی نوعیّتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔ ایک تعلق تو خالق کا اس کی مخلوق کے ساتھ ہے اور دوسرا متکلّم کا اس کے کلام کے ساتھ۔ اس کو اِک سادہ سی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ فرض کریں ایک بڑھئی ایک کرسی بناتا ہے۔ یہ کرسی گویا اس کی مخلوق ہے۔ اس کرسی کو تخلیق کرنے سے پہلے اس کا پورا خاکہ بڑھئی کے علم یا تخیل میں ہونا لازمی ہے۔ اب اگر یہ بڑھئی اپنے اس علم کا اظہار تحریری یا تقریری شکل میں کرتا ہے تو یہ اس کے کلام ہی کی صورتیں ہوں گی۔ اب اگر غور کیا جائے تو بآسانی دیکھا جا سکتا ہے کہ بڑھئی کا کرسی کے ساتھ بس یہی ایک تعلق باقی رہ گیا ہے کہ اس میں اس کی صفت خلّاقی کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ جبکہ بڑھئی کا اس کے کلام (تقریر یا تحریر) کے ساتھ ایک ذاتی تعلق موجود ہے‘ کیونکہ کلام علم کا اظہار ہے اور علم کسی بھی ہستی کی ذات سے جدا نہیں ہوتا۔ گویا خالق اور اس کی تخلیق کی گئی مخلوق میں تو مغایرت پیدا ہو جاتی ہے‘ مگر کلام اور متکلّم میں مغایرت پیدا ہونا ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو مقام کسی متکلم کا ہوتا ہے وہی مقام اس کے کلام کا بھی ہوتا ہے‘ خاص طور پر جب متکلم زندہ بھی ہو۔ (اسی لیے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ خلق قرآن کے باطل نظریے کے خلاف اسی صحیح مسلک پر جمے رہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے‘ مخلوق نہیں۔)

سابقہ ادوار میں بادشاہ اپنے احکام جب رعایا تک پہنچانا چاہتے تھے تو کیا ان کو عام سے

طوماروں میں لکھ کر اور بغیر کسی پروٹوکول کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے؟ کیا کوئی بادشاہ یہ گوارا کر سکتا ہے کہ اس کے احکام یوں ہی سرسری طریقے سے لوگوں کے سامنے پیش کیے جائیں؟ نہیں‘ بلکہ ان کو تو سنہری حروف میں کندہ کر کے ایک خاص پروٹوکول کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جو خط ملکہ بلقیس کو ارسال کیا گیا تھا اس کو دیکھ کر ہی ملکہ پہچان گئی تھی کہ یہ کسی عظیم بادشاہ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ غرضیکہ جو پروٹوکول متکلم کے شایانِ شان ہے‘ وہی اس کے کلام کے شایانِ شان بھی ہے۔ گویا متکلم اور کلام کی قدر و منزلت میں سرمو کوئی فرق نہیں۔

اس حقیقت کا ادراک کرنے کے بعد جب ہم اپنی توجہ قرآن حکیم پر مبذول کرتے ہیں تو جہاں اس کتاب کا عظیم مقام ہم پر منکشف ہوتا ہے وہاں ایک عجیب احساس ہیبت و حیرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ہمارے رگ و پے میں دوڑ جاتا ہے۔ اس بات کا ادراک کہ یہ اُس ہستی کا کلام ہے جو الحیُّ القیُّوم ہے‘ اور کُن فیکون کی بے پناہ طاقت رکھتی ہے‘ انسان کے اوپر ایک ہیبت طاری کر دیتا ہے۔ اور پھر حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ جو پروٹوکول اللہ کے شایانِ شان ہے اس کا تو عُشرِ عشیر بھی‘ ہم لاکھ چاہیں‘ اس دنیا میں اس قرآن کو نہیں دے سکتے‘ تو پھر آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عظیم کلام کا نزول اس سفلی دنیا میں کیسے گوارا کر لیا؟ اللہ ربّ العزت اپنا مقام قرآن میں یہی بیان کرتا ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہے۔ اس سفلی و گھٹیا دُنیا میں اس کا تنزل اس کے شایانِ شان ہی نہیں ہے۔ قیامت والے دن جب اللہ تعالیٰ اس دنیا پر نزولِ اجلال فرمائے گا تو کس پروٹوکول کے ساتھ یہ نزول ہوگا‘ اس کی ایک جھلک سورۃ الحاقہ میں یوں بیان کی گئی ہے:

﴿ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿١٦﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾ ﴾

’’تو اس روز ہو پڑنے والی (یعنی قیامت) ہو پڑے گی۔ اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اس دن کمزور ہوگا۔ اور فرشتے اس کے کناروں پر (اُتر آئیں گے)۔ اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اپنے سروں پر اٹھائے ہوں گے۔‘‘

گویا وہ ایک غیر معمولی واقعہ ہوگا‘ آسمان مقامِ الٰہی کی ہیبت کی تاب نہ لا کر پھٹ جائے گا‘ بے شمار فرشتے اس کے کناروں سے اتر آئیں گے اور اللہ ربّ العزت اپنے عرش سمیت جلوہ افروز

ہوں گے جس کو آٹھ عظیم فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہوگا۔ اب ذرا غور کیا جائے تو ہم اسی نتیجے تک پہنچیں گے کہ قرآن مجید کا تو اس سفلی دنیا میں نزول نہیں ہونا چاہیے تھا' کیونکہ ایسا پروٹوکول جو اس کے شایانِ شان ہے اس کو نہیں مل سکا' بلکہ اس کی تو بے حرمتی بھی ہوئی ہے۔ سب سے بڑی بے حرمتی تو اس کی یہ ہوئی کہ بنی نوعِ انسان کی اکثریت نے اس کا کفر کیا' اور ان میں بھی کچھ ظالم تو ایسے ہیں جنہوں نے اس کی سرِعام اس طرح تذلیل وتحقیر کی کہ اس کو بیان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پھر اس کے ماننے والوں کی اکثریت کا حال بھی یہ ہے کہ جس عظیم مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو نازل فرمایا' اس کو اس مقصد کے لیے استعمال کرنے اور اپنی زندگیوں میں اس کی تعلیمات نافذ کرنے سے عاری ہیں۔ پھر ان کو اگر اس کے چاہنے والے شائع بھی کرتے ہیں تو عام کاغذوں پر ہی شائع کرتے ہیں۔ پھر یہ کاغذ بوسیدہ بھی ہوتے ہیں اور ان کو شہید بھی کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس قرآن کا نزول اس دنیا میں ہوا ہے تو یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ تو اللہ رب العزت کی صفت رحمت کا عروج ہے کہ اس نے ہمارے لیے اپنے کلام کی بے حرمتی تک کو گوارا کیا۔ صرف اس لیے تاکہ بنی نوعِ انسان ہدایت حاصل کرکے آخرت میں جہنم کے عذاب سے بچ سکے اور جنت حاصل کرسکے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ سورۃ الرحمٰن میں فرماتے ہیں:

﴿اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾﴾

''(اللہ رب العزت جو) نہایت مہربان ہے' اسی نے قرآن کی تعلیم فرمائی۔''

یعنی جب اللہ عزوجل کی صفت رحمت اپنے عروج پر پہنچی تو اللہ نے انسان کو قرآن سکھانے کا فیصلہ کیا۔ ورنہ انسان کا تو یہ مقام ہی نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾﴾ (الشوریٰ)

''اور کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے روبرو بات کرے' اُس کی بات یا تو وحی (اشارے) کے طور پر ہوتی ہے' یا پردے کے پیچھے سے' یا پھر وہ کوئی پیغام بر (فرشتہ) بھیجتا ہے اور وہ اُس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے' وحی کرتا ہے۔ وہ بہت بلند اور بہت حکیم ہے۔''

اس ضمن میں قرآن مجید کے دو مقامات ایسے ہیں جو بہت بھاری مقامات ہیں اور جن

میں اللہ تعالیٰ کا نوعِ انسانی پر غضب بہت نمایاں ہے۔ ان مقامات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے سامنے اس قرآن مجید کی اصل عظمت واضح کی ہے اور پھر اس سے بے اعتنائی برتنے پر ان کو ان کا پست مقام بھی یاد دلایا ہے۔ سورۂ عبس میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾﴾

''ہرگز نہیں' یہ تو ایک نصیحت ہے۔ جس کا جی چاہے اِسے قبول کرے۔ یہ ایسے صحیفوں میں درج ہے جو مکرم ہیں۔ بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں۔ معزز اور نیک کاتبوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں۔ مارا جائے انسان (لعنت ہو اس پر)' کیسا سخت منکرِ حق ہے یہ! کس چیز سے اللہ نے اِسے پیدا کیا ہے؟ نطفہ کی ایک بوند سے' اِسے پیدا کیا' پھر اِس کی تقدیر مقرر کی۔ پھر اِس کے لیے زندگی کی راہ آسان کی۔ پھر اِسے موت دی اور قبر میں پہنچایا۔ پھر جب چاہے وہ اِسے دوبارہ اٹھا کھڑا کرے۔ ہرگز نہیں' اِس نے وہ فرض ادا نہیں کیا جس کا اللہ نے اِسے حکم دیا تھا۔''

قرآن حکیم' اصل میں اللہ تعالیٰ کے علم قدیم کا جو لوحِ محفوظ میں درج ہے' ایک جزو ہے اور جس کا یہ پروٹوکول ہے کہ عام فرشتے بھی اسے ہاتھ تک نہیں لگا سکتے۔ بلکہ اس کو تو ہاتھ لگانے کی اجازت صرف بہت بلند مرتبہ فرشتوں کو ہے۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کا اصل مقام بھی اس پر واضح کیا کہ ایک حقیر نطفے سے اسے پیدا کیا گیا' اور اس کی زندگی کے ہر مرحلے میں اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آسانی اور سہولت کا بندوبست کیا' لیکن یہ اپنی اوقات بھول کر اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کو ٹھکراتا ہے۔

اس سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ یہی مضمون سورۃ الواقعہ میں آیا ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کا اصل مقام بیان کرنے کے بعد انسان کو اس کی موت کے وقت کی اوقات یاد دلائی ہے۔ فرمایا:

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ
اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ
مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾﴾ (الواقعہ)

''نہیں' میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے مواقع کی۔ اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔ کہ یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے۔ ایک محفوظ کتاب میں موجود ہے۔ جسے مطہرین کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ یہ ربّ العالمین کا نازل کردہ ہے۔ پھر کیا اس کلام کے ساتھ تم بے اعتنائی برتتے ہو؟ اور اِس نعمت میں اپنا حصہ تم نے یہ رکھا ہے کہ اِسے جھٹلاتے ہو؟ تو جب مرنے والے کی جان حلق تک پہنچ چکی ہوتی ہے۔ اور تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہو (کہ وہ مر رہا ہے)' اُس وقت تمہاری بہ نسبت ہم اُس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں' مگر تم کو نظر نہیں آتے۔ پس اگر تم کسی کے محکوم نہیں ہو اور اپنے اِس خیال میں سچے ہو' اُس وقت اُس کی نکلتی ہوئی جان کو واپس کیوں نہیں لے آتے؟''

غرضیکہ انسان نے بحیثیت مجموعی اس عظیم نعمت کی ہمیشہ ناقدری کی ہے۔ لیکن اس سب کا یقینی علم رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کا نزول گوارا کیا۔ اس حقیقت کا ادراک جہاں ہمارے دل پر قرآن کی عظمت کا نقش ثبت کر دیتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی بنی نوعِ انسان سے محبت اور ہمدردی کا مسحور کن احساس بھی دلا دیتا ہے۔

کلام اللہ کے ہمارے درمیان موجود ہونے کا ایک اور مظہر بھی نہایت سحر انگیز ہے اور وہ یہ کہ کلام سے متکلم کی شخصیت کی پہچان بھی کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ مردم شناس لوگ تو چند جملوں ہی سے کسی کی شخصیت کا ادراک حاصل کر لیتے ہیں۔ جبکہ پیشہ ور تحریر شناس محض کسی کے دستخط سے اس کی شخصیت کی پہچان کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن کی کئی سو سطور میں ہم سے کلام کیا ہے' تو کیا اللہ کی شخصیت کا بھی ادراک قرآن سے کیا جا سکتا ہے؟ یہ ایک نازک معاملہ ہے' کیونکہ تصورِ شخصیت کا اطلاق لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ کی صفت رکھنے والی ہستی پر کرنا اس کے شایانِ شان نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے چونکہ انسان سے اس کی سطح پر آ کر کلام کیا ہے (ورنہ یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا)' لہٰذا قرآن سے ہمیں ان تمام سوالوں کے جواب مل جاتے ہیں جو کسی بھی شخصیت کو جاننے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کو جاننے کے لیے آپ کو

اس کا نام' عمر' جنس' جگہ' کام' اولاد' خاندان' تعلق' پسند ناپسند وغیرہ کا علم درکار ہوتا ہے۔ آیئے' اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ سوال ہم قرآن سے پوچھ کر دیکھتے ہیں:

☆ آپ کا نام کیا ہے؟

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ
الْحُسْنٰى ۚ﴾ (الاسراء: ۱۱۰)

''کہہ دو کہ تم (اللہ کو) اللہ (کے نام سے) پکارو یا رحمٰن (کے نام سے) جس نام سے پکارو اس کے سب نام اچھے ہیں۔''

☆ آپ کی جنس کیا ہے؟ اپنی اولاد اور خاندان کے بارے میں بتائیں؟

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴿۳﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ
كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾﴾ (الاخلاص)

''کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) ایک ہے۔ (وہ) معبود برحق بے نیاز ہے۔ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔''

☆ آپ کی عمر کتنی ہے؟

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ﴾ (البقرۃ: ۲۵۵)

''اللہ (وہ معبود برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ زندہ ہمیشہ رہنے والا۔''

☆ آپ کیا کرتے ہیں؟

﴿يَسْئَلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾﴾ (الرحمٰن)

''آسمانوں اور زمین میں جتنے لوگ ہیں سب اسی سے مانگتے ہیں۔ وہ ہر روز کام میں مصروف رہتا ہے۔''

☆ آپ کی پسند ناپسند کیا ہے؟ قرآن مجید کی مختلف آیات سے اللہ رب العزت کی پسند اور ناپسند کے بارے میں یہ معلومات ملتی ہیں:

پسند: عمل صالح' طہارت' تقویٰ' صبر' توکل' اخلاق اور حسن سلوک' عدل' نیکی' فرائض کو پورا کرنا' برابری' جہد و قتال وغیرہ۔

ناپسند: حد سے گزرنا' ضد اور ہٹ دھرمی' کفر' ظلم وغیرہ۔

☆ آپ نے ہمیں کیوں تخلیق کیا؟

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾﴾ (الذاریات)

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔''

☆ روح کی حقیقت کیا ہے؟

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۷﴾﴾ (الاسراء)

''اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کی ایک شان ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔''

غرضیکہ سوال کرتے جایئے اور جواب آتا جائے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعے ہمیں گفتگو کا شرف بخشا ہے۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ عام گفتگو میں ہم سوال کے بعد جواب کا انتظار کرتے ہیں' جبکہ اس طرزِ گفتگو میں ان سوالوں کے جوابات پہلے سے ہی ترتیب دے دیے گئے ہیں۔ اس حقیقت کا ادراک ہمارا تعلق ایک ایسے معبود لاشریک سے جوڑ دیتا ہے جو ہم سے دور نہیں بلکہ ہر لمحہ ہمارے پاس ہے' کہ ہم جب چاہیں اس سے گفتگو کر سکتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ اوپر بیان کیے گئے حقائق کا ادراک حاصل کرنے کے بعد ہم حیرت و ہیبت' محبت و قربت اور شفقت و رحمت کے ایسے ملے جلے جذبات میں محو ہو جاتے ہیں جن کا اظہار شاید انہی الفاظ میں کیا جا سکتا ہے جو ایک صدی قبل برصغیر پاک و ہند کے عظیم مفکّر' شاعر مشرق' حکیم الامت' ترجمان القرآن' علامہ محمد اقبالؒ نے ان دو اشعار میں پیش کیے تھے کہ:

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

''صاف ہی کہہ دیتا ہوں جو میرے دل میں مضمر ہے' کہ یہ کتاب نہیں ہے کوئی اور ہی شے ہے۔''

مثلِ حق پنہاں وہم پیدا ست ایں
زندہ و پایندہ و گویا ست ایں!

''حق تعالیٰ کی طرح یہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اور حق تعالیٰ کی طرح یہ بھی زندۂ جاوید ہے اور یہ باتیں بھی کرتا ہے۔''

رمضان، قرآن اور ہم

(مولانا) سید عبدالوہاب شیرازی

رمضان المبارک نزولِ قرآن کا مہینہ ہے، چنانچہ اس کو قرآن حکیم کے ساتھ ایک خصوصی نسبت و تعلق حاصل ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ﴾ (آیت ۱۸۵)

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے لوگوں کے لیے ہدایت بنا کر اور ہدایت اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کی روشن دلیلوں کے ساتھ۔''

ہدایت کے دو پہلو

ہدایت کا ایک پہلو ہے نظری، فکری اور علمی ہدایت۔ جبکہ ہدایت کا دوسرا پہلو ہے عملی، اخلاقی اور زندگی کے معمولات کے ضمن میں ہدایت۔ یعنی انسان میں یہ تمیز پیدا ہو جائے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے!

پہلا پہلو: کائنات میں جو کچھ نظر آ رہا ہے یہ حقیقت نہیں، بلکہ حقیقت اس کے پیچھے ہے۔ ایک ہمارا یہ ظاہری وجود ہے جس میں درد بھی محسوس ہوتا ہے، لیکن یہ حقیقت نہیں، حقیقی وجود روحانی وجود ہے جو نظر نہیں آتا۔ اسی طرح یہ کارخانہ دنیا ہے، یہاں کی رنگینیاں ہیں، ساز و سامان ہے، لیکن حقیقت اس کے پیچھے ہے یعنی آخرت۔ یہ جو ظواہر ہیں ان کی بجائے حقائق پر توجہ ہو تو یہ نظری ہدایت ہے، یعنی ظاہر و باطن اور حق و باطل کا فرق معلوم ہو جانا، یہ ہدایت ہے۔ تین حقائق یعنی ذاتِ باری تعالیٰ، روحِ انسانی اور حیاتِ اُخروی پر جب تین ظواہر یعنی کائنات، جسم انسانی اور حیاتِ دُنیوی کا پردہ پڑ جائے تو یہی دجل اور دجالیت ہے۔ ایک بہت ہی پیاری دعا اسی بارے میں ہے: اَللّٰهُمَّ اَرِنِیْ حَقِیْقَةَ الْاَشْیَاءِ كَمَاهِیَ ''اے اللہ! مجھے اشیاء کی حقیقت دکھا دے، جیسا کہ وہ ہیں۔''

دوسرا پہلو: دوسری ہدایت عملی ہے اور اس کے بھی دو درجے ہیں: ایک انفرادی سطح پر ہدایت، اور دوسری اجتماعی سطح پر ہدایت۔

انفرادی سطح پر ہدایت: انفرادی ہدایت یہ ہے کہ میں کیا کروں، کیا نہ کروں۔ کیا خیر ہے اور کیا شر ہے۔ کیا اچھی بات ہے اور کیا بری بات ہے؟ یہ انفرادی ہدایت اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں ودیعت کر کے بھیجا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸﴾ (الشمس)

یہی وجہ ہے کہ اس انفرادی معاملے پر قرآن مجید میں اتنا زیادہ زور نہیں دیا گیا، ان باتوں کو معروف اور منکر کہا گیا ہے۔ معروف یعنی جانی پہچانی جس سے انسان خود ہی واقف ہے، اور منکر یعنی جس سے خود ہی انسانی نفس نفرت کرتا ہے۔ دنیا کے کس انسان کو معلوم نہیں کہ سچ بولنا اچھی اور جھوٹ بولنا بری بات ہے!

اجتماعی سطح پر ہدایت: انسان کی اصل احتیاج اجتماعی زندگی کی ہدایت ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں آ کر انسان افراط و تفریط کا شکار ہو جاتا ہے۔ دنیا میں تین بڑے اجتماعی مسائل ہیں: ایک مرد و عورت کے حقوق میں توازن۔ دوسرا ریاست اور شہری کے حقوق میں توازن، یعنی شہری کو کتنی آزادی ہے اور کتنا پابند ہے اور ریاست کو کتنی آزادی ہے اور کتنی پابند ہے۔ تیسرا سرمایہ اور محنت یعنی سرمایہ دار اور مزدور کے حقوق میں توازن۔ یہاں آ کر انسان ہدایت کا محتاج ہو جاتا ہے اور وہ ہدایت قرآن مجید سے ملتی ہے:

﴿اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝۳ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۝۴﴾

(الرحمٰن)

رحمٰن اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے چوٹی کا نام ہے، اور قرآن تمام الہامی کتابوں میں سے چوٹی کی کتاب ہے۔ انسان تمام مخلوقات میں سے چوٹی کی مخلوق ہے، جبکہ بیان انسان کی تمام صلاحیتوں میں سے چوٹی کی صلاحیت ہے۔

ان آیات میں ہمیں یہ تعلیم دی گئی کہ خدائے رحمٰن کی چوٹی کی مخلوق انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی چوٹی کی صلاحیت یعنی بیان کو اللہ تعالیٰ کی چوٹی کی کتاب قرآن کو بیان کرنے پر صرف کرے۔ اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہ ہے کہ پوری قوت کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی سطح پر رجوع الی القرآن کی زبردست تحریک چلنی چاہیے تاکہ سب مسلمان قرآن کے ساتھ جڑ جائیں،

قرآن کو سیکھیں اور سکھائیں، سمجھیں اور سمجھائیں، عمل کریں اور عمل کروائیں۔ اسی سے ہمارے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

آج قرآن ہماری زندگیوں سے نکل گیا ہے۔ ہم اگرچہ کئی کام انفرادی سطح کے کرتے ہیں لیکن اجتماعی سطح پر پہلا قدم رکھتے ہی پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ ہم رواجی پردہ تو کرتے ہیں، لیکن شرعی پردہ نہیں کرتے۔ رواجی پردہ یہ ہے کہ اجنبی سے پردہ کرو اور جاننے والے یا رشتہ دار سے نہیں، جبکہ شرعی پردہ یہ ہے کہ غیر محرم سے پردہ کرو، چاہے وہ رشتہ دار یا جاننے والا ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح دیگر اجتماعی مسائل میں ہماری یہی حالت ہے کہ ہم دین پر عمل نہیں کرتے۔

قرآن مجید کے پانچ حقوق

آج دنیا میں حقوق کی جنگیں لڑی جا رہی ہیں۔ کہیں خواتین کے حقوق کی بات ہو رہی ہے تو کہیں جانوروں کے حقوق کی، لیکن آج کے مسلمان کو یہ نہیں معلوم کہ اس پر قرآن مجید کے کتنے حقوق ہیں۔ تو جاننا چاہیے کہ ہر مسلمان پر قرآن مجید کے پانچ حقوق ہیں:

۱۔ ایمان و تعظیم، ۲۔ تلاوت و ترتیل، ۳۔ تذکر و تدبر، ۴۔ حکم و اقامت، ۵۔ تبلیغ و تبیین

۱) ایمان و تعظیم: ایمان کے دو حصے ہیں: ایک اقرار اور دوسرا تصدیق۔ ہم اقرار تو کرتے ہیں، لیکن یقین اور تصدیق کی ہمارے اندر کمی ہے۔ لہٰذا ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے دلوں کو ٹٹولیں کہ آیا ہم قرآن کو متوارث مذہبی عقیدے کی بنا پر ایک آسمانی مقدس کتاب سمجھتے ہیں، جس کا زندگی اور اس کے جملہ معاملات سے کوئی تعلق نہ ہو، یا یہ یقین ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو اس لیے نازل ہوا ہے کہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں اور اسے اپنی زندگیوں کا لائحہ عمل بنائیں؟

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایمان و یقین کی یہ کمی کیسے پوری ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان و یقین کے حصول کا سب سے آسان ذریعہ اصحابِ ایمان و یقین کی صحبت ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عظیم ایمان حضور ﷺ کی صحبت کا نتیجہ تھا۔ آپ ﷺ کے بعد ہمارے لیے بھی اصحابِ یقین کی صحبت ضروری ہے اور خود ایسے خواص کے لیے نورِ ایمان کا منبع قرآن ہے۔ پھر اس کے بعد سیرتِ رسول و اصحابِ رسول کا مطالعہ کرنے سے معنوی صحبت میسر آ جاتی ہے۔ ایمان کوئی ٹھوس چیز نہیں جسے باہر سے ٹھونس کر اندر داخل کیا جائے، بلکہ ایمان کی چنگاری ہر مسلمان کے اندر موجود ہوتی ہے، لیکن اعمالِ بد نے اسے دھندلا کیا ہوتا ہے۔ اس چنگاری کو شعلہ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ)) قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا جِلَاءُ هَا؟ قَالَ: ((كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ)) (رواہ البیہقی)

۲) تلاوت و ترتیل: قرآن مجید کا دوسرا حق قرآن کی قراءت اور تلاوت ہے۔ قراءت کا لفظ ہر کتاب کے لیے بولا جاتا ہے، جبکہ تلاوت کا لفظ صرف قرآن کے لیے خاص ہے۔ پہلے زمانے میں قاری قرآن کے عالم کو کہا جاتا تھا، لیکن پھر آہستہ آہستہ یہ لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال ہونے لگا جو قرآن کو مخارج اور صفات کا لحاظ رکھتے ہوئے اہتمام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

قرآن کی تلاوت بار بار کرنے کی ضرورت ہے۔ جس طرح جسم انسانی بار بار کھانے کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح روحِ انسانی بھی غذا کی محتاج ہے اور روح کی سب سے عمدہ غذا تلاوتِ قرآنِ کریم ہے۔

قرآن مجید کا دوسرا حق تلاوتِ قرآن ہے۔ پھر اس تلاوت کے بھی کچھ حقوق ہیں:

☆ تلاوت کا پہلا حق یہ ہے کہ قرآن کو تجوید کے قواعد کا لحاظ کر کے تلاوت کیا جائے، یعنی مخارج، صفات اور رموزِ اوقاف کا علم ہونا چاہیے تاکہ قرآن کی تلاوت کا حق ادا ہو سکے۔

☆ تلاوت کا دوسرا حق یہ ہے کہ روزانہ کا معمول ہونا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ تلاوت کا نصاب ''ثُلثِ قرآن'' یعنی دس پارے روزانہ ہے اور کم سے کم نصاب ایک پارہ روزانہ ہے۔ ان دونوں کے درمیان ایک نصاب ہے جس پر اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا معمول تھا، وہ ایک ہفتے میں ختم قرآن کا ہے۔ قرآن مجید میں سات منزلوں کی تقسیم اسی وجہ سے ہے کہ ایک منزل روزانہ تلاوت کر لی جائے اور ایک منزل کو تلاوت کرنے میں تقریباً دو گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔

☆ تلاوت کا تیسرا حق خوش الحانی ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِكُمْ)) (رواہ ابوداؤد والنسائی)

''قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کر کے پڑھو۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے اس معاملے میں کوتاہی پر بایں الفاظ تنبیہ فرمائی:

((مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ فَلَيْسَ مِنَّا)) (رواہ ابوداؤد)

''جو قرآن کو خوبصورت آواز سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

☆ تلاوت کا چوتھا حق یہ ہے کہ آدابِ ظاہری و باطنی کا خیال رکھا جائے' یعنی باوضو ہو کر قبلہ رخ بیٹھ کر تعوذ و تسمیہ پڑھ کر حضوری قلب' اور مسلسل تذکّر و تدبّر اور تفہّم و تفکّر کر کے تلاوت کا اہتمام کیا جائے۔ اپنے خود ساختہ خیالات و نظریات کی سند قرآن میں نہ ڈھونڈی جائے بلکہ قرآن سے ہدایت لینے کے لیے اسے پڑھا جائے۔

☆ تلاوت کا پانچواں حق ترتیل ہے' یعنی تلاوت ٹھہر ٹھہر کر کی جائے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝۴﴾ (المزمل)

''اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو!''

قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا تثبیتِ قلبی کا ذریعہ بھی ہے' فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝۳۲﴾ (الفرقان)

''اسی طرح (ہم نے قرآن اُتارا) تاکہ ہم اس کے ذریعے آپ کے دل کو ثبات عطا کریں' پس پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر۔''

چنانچہ ترتیل کے ساتھ پڑھنے سے زیادہ فیض حاصل ہوتا ہے۔ ایک روایت میں آنحضور ﷺ کا فرمان نقل ہوا ہے:

((اُتْلُوا الْقُرْآنَ وَابْكُوْا)) (رواه ابن ماجه)

''قرآن کی تلاوت کرو اور روؤ۔''

☆ تلاوتِ قرآن کا چھٹا حق یہ ہے کہ اس کو حفظ بھی کیا جائے۔ حفظ میں یہ ضروری نہیں کہ پورا قرآن ہی حفظ کیا جائے' بلکہ حسب توفیق زیادہ سے زیادہ حفظ کیا جائے۔

۳) تذکّر و تدبّر: یعنی قرآن کو سمجھنا اور اس پر غور و فکر کرنا۔ بغیر سمجھے قرآن کی تلاوت کا جواز ان لوگوں کے لیے تو ہے جو پڑھنے لکھنے سے محروم رہ گئے ہیں اور اب ان کی عمر اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ ان کے لیے سیکھنا ناممکن ہو چکا ہے۔ ایسے لوگ اگر ٹوٹی پھوٹی تلاوت کریں یا تلاوت نہ کر سکیں' محض عقیدت کی بنا پر سطروں پر اپنی انگلیاں ہی پھیریں تو بھی ان کو ثواب ملے گا۔ لیکن پڑھے لکھے لوگ جنہوں نے دنیا کے مختلف علوم و فنون حاصل کرنے میں زندگیاں صرف کیں' اپنی تو کیا غیر ملکی زبانیں بھی سیکھیں' وہ اگر قرآن کو بغیر سمجھے پڑھیں تو عین ممکن ہے کہ وہ قرآن کی تحقیر و توہین اور تمسخر و استہزاء کے مجرم گردانے جائیں۔ ایسے لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ

وہ قرآن کا فہم حاصل کریں۔

فہم کے مدارج: پھر اس فہم کے بھی مدارج ہیں۔ فہم قرآن کے دو درجے ہیں: ایک تذکر بالقرآن' اور دوسرا تدبر فی القرآن۔

(۱) تذکر بالقرآن یہ ہے کہ قرآن سے نصیحت حاصل کرنا۔ اس اعتبار سے قرآن مجید بہت ہی آسان کتاب ہے۔ سورۃ القمر میں یہ آیت چار مرتبہ دہرائی گئی ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝﴾ (آیت ۱۷' ۲۲' ۳۲' ۴۰)

''ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان بنایا ہے' تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟''

قرآن حکیم کو نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان پر حجت قائم کر دی ہے خواہ وہ کتنی ہی کم استعداد کا مالک ہو۔ چنانچہ قرآن سے نصیحت حاصل کرنا ہر انسان کے لیے آسان ہے' ہر انسان قرآن سے تذکر حاصل کر سکتا ہے۔

(۲) تدبّر فی القرآن یہ ہے کہ قرآن میں غور و خوض کیا جائے۔ قرآن مجید وہ سمندر ہے جس کی گہرائی کا کسی کو اندازہ نہیں ہو سکا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تدبّر و تفکّر میں کئی کئی سال لگاتے تھے۔ وہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جن کو حضور ﷺ نے سات دن میں قرآن ختم کرنے کا حکم فرمایا تھا وہ صرف سورۃ البقرۃ میں تدبر پر آٹھ سال لگا دیتے ہیں' حالانکہ آیات کا شانِ نزول' عربی زبان اور دیگر قواعد سب جانتے تھے' ان کو سیکھنے کی ان کو حاجت ہی نہیں تھی۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے ایک عارف کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں قرآن مجید کا ایک ختم ہر جمعہ کو کرتا ہوں' ایک ختم ہر مہینے کرتا ہوں اور ایک ختم ہر سال کرتا ہوں' جبکہ ایک ختم ایسا بھی ہے جس میں تیس سال ہو گئے ہیں' ابھی جاری ہے۔

قرآن مجید کو بطریق تدبر پڑھنے کی شرائط بہت کڑی ہیں اور ان کا پورا کرنا اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان اپنے آپ کو اسی کام کے لیے وقف کر دے اور دن رات قرآن میں مستغرق رہے۔ اس کام کے لیے اوّلاً عربی زبان کے قواعد کا گہرا اور پختہ علم ضروری ہے' پھر اس کے ادب کا ایک ستھرا ذوق اور فصاحت و بلاغت کا عمیق فہم لازمی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ جس زبان میں قرآن نازل ہوا' اس کا صحیح فہم اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ادب جاہلی کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے اور دورِ جاہلی کے شُعراء اور خُطباء کا کلام بھی پڑھا جائے' پھر اسی پر بس نہیں' قرآن کی

اپنی بھی وضع کردہ اصطلاحات ہیں جن سے واقفیت ایک طویل مدت تک قرآن کو پڑھتے رہنے سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر قرآن کے نظم کو سمجھنا' اس کی ترتیب نزولی اور آیات وسور کا باہمی ربط جاننا یہ سب چیزیں بہت ضروری ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں مفسرین کے لیے چودہ علوم کا جاننا ضروری کہا گیا ہے۔ اور یہ چودہ علوم والی بات تو پرانی ہے' اب تو اور کئی علوم بھی متعارف ہو گئے ہیں' چنانچہ اب تو سولہ یا اٹھارہ علوم کی قید لگائی جاسکتی ہے۔

۴) حکم واقامت: قرآن مجید کا چوتھا حق یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ قرآن مجید نہ تو جادو منتر کی کتاب ہے کہ محض اس کا پڑھنا دفع بلیات کے لیے کافی ہو' اور نہ ہی یہ محض حصولِ برکت وثواب کی کتاب ہے کہ دکان ومکان میں برکت یا مردے بخشوانے کے لیے اس کی تلاوت کی جائے' بلکہ یہ هُدًى لِّلنَّاس ہے' اس کا مقصدِ نزول ہدایت کو حاصل کرنا اور اسے اپنی زندگیوں کا لائحہ عمل بنانا ہے۔

عمل کے دو پہلو: پھر اس عمل کے بھی دو پہلو ہیں: ایک انفرادی اور دوسرا اجتماعی۔ ایسے احکام جن کا تعلق انفرادی زندگی سے ہے ان کا تو انسان فی الفور مکلّف ہے' البتہ ایسے احکام جن کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہے ان کا فی الفور مکلّف تو نہیں' لیکن ان کی ترویج وتنفیذ کی کوشش کرتے رہنا ضروری ہے۔

۵) تبلیغ وتبیین: قرآن مجید کا پانچواں حق دوسروں تک پہنچانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَةً)) آپ ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ تبلیغ کی ذمہ داری سے کوئی مسلمان بھی بری نہیں' اگرچہ اسے ایک ہی آیت آتی ہو۔ اصلاً تو یہ فریضہ ہے کہ قرآن کے الفاظ اور مفہوم کو اقوامِ عالم تک پہنچایا جائے' لیکن بدقسمتی سے جن کی یہ ذمہ داری تھی وہ خود محتاج ہیں کہ ان تک پہنچایا جائے' اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلّم وتعلیمِ قرآن کی ایک ایسی رَو چل پڑے کے تمام مسلمان قرآن کو سیکھنے سکھانے میں لگ جائیں۔

قرآن مجید کے یہ پانچ حقوق ہیں' لیکن عام طور پر ہمارے ہاں جو حقوق سمجھے جاتے ہیں وہ یہ ہیں: (۱) ریشمی جُزدان میں رکھا جائے۔ (۲) جہیز میں دیا جائے۔ (۳) نزع کے وقت سرہانے کے قریب' یا نئی دکان ومکان میں اس کی تلاوت کی جائے۔ (۴) عدالتوں میں قسم اٹھاتے وقت سر پر رکھا جائے۔ (۵) پریشانی کے وقت فال نکالی جائے۔

قرآن اور ہم' ہمارا قرآن کے ساتھ طرزِ عمل

حضرت عبیدہ ملیکی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((یَا اَهْلَ الْقُرْآنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ آنَاءِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ' وَافْشُوْهُ وَتَغَنُّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)) (رواہ البیھقی)

''اے اہلِ قرآن! اس قرآن کو پس پشت نہ ڈالو' اور اس کی تلاوت کرو جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے صبح اور شام' اور اس کو پھیلاؤ' اور اسے خوبصورت آوازوں سے پڑھو' اور اس میں تدبر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

''لَا تَتَوَسَّدُوْا'' یعنی پس پشت نہ ڈالو' سہارا نہ بناؤ! ہم نے برکت کی کتاب سمجھ کر طاق میں رکھ دیا' اپنی قسموں کے لیے تختہ مشق بنا دیا۔ مرتے ہوئے شخص کے پاس سورۂ یٰسین پڑھ لیتے ہیں' بیٹی کو ٹی وی کے ساتھ جہیز میں قرآن بھی دے دیتے ہیں۔ ہمارے حال پر حضور ﷺ کا یہ فرمان صادق آتا ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ یَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِهٖ آخَرِیْنَ)) (رواہ مسلم)

''بے شک اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعے کچھ اقوام کو عروج عطا فرمائے گا اور کچھ دوسری اقوام کو پست کرے گا۔''

یعنی دنیا میں بحیثیت قوم ہماری تقدیر اس کتاب سے جڑی ہوئی ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

((وَقَدْ تَرَكْتُ فِیْكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ: كِتَابَ اللّٰهِ))

(رواہ مسلم)

''میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جب تک تم اس کے ساتھ چمٹے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب (قرآن)۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے:

اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: ((اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ)) قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: ((كِتَابُ اللّٰهِ' فِیْهِ نَبَاُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَیْنَكُمْ' هُوَ الْفَصْلُ لَیْسَ بِالْهَزْلِ' مَنْ تَرَكَهٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ' وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى فِیْ غَیْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ' وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِیْنُ' وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِیْمُ' وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ)) (رواہ الترمذی والدارمی)

حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:
''عنقریب ایک بڑا فتنہ ظاہر ہوگا''۔ میں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! اس سے نکلنا کا راستہ کیا ہے؟ (اگر آج کا مسلمان ہوتا تو فوراً پوچھتا: کب ہوگا' کہاں ہوگا' کیسا ہوگا؟ لیکن صحابہ کرام ؓ کو اپنی ایسی فکر لگی ہوتی تھی کہ فوراً اس سے خلاصی کا پوچھا) آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے خلاصی اللہ کی کتاب قرآن ہے' اس میں تم سے پہلے اور بعد کی خبریں ہیں' اور اس میں تمہارے درمیان فیصلے ہیں' وہ قول فیصل ہے' فضول بات نہیں ہے۔ جو جابر سرکش اس کو چھوڑے گا اللہ اس کو توڑ کر رکھ دے گا' اور جو اس کے علاوہ ہدایت تلاش کرے گا اللہ اس کو گمراہ کر دے گا۔ قرآن ہی اللہ کی مضبوط رسی ہے' اور محکم نصیحت نامہ ہے' اور وہی صراط مستقیم ہے۔''

قرآن ''حبل اللہ'' ہے!

قرآن مجید میں اہل ایمان سے فرمایا گیا ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا﴾ (آل عمران:۱۰۳) ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو!'' البتہ ''حبل اللہ'' کیا ہے؟ اس کی صراحت ہمیں احادیث سے ملتی ہے کہ قرآن مجید ''حبل اللہ'' ہے' جیسا کہ حضرت علی ؓ سے مروی متذکرہ بالا حدیث میں ہم نے ((هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ)) کے الفاظ پڑھے۔

صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقم ؓ سے مروی یہ حدیث نقل ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلَا وَاِنِّیْ تَارِكٌ فِيْكُمْ ثَقَلَيْنِ' اَحَدُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ' هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ.....))

''آگاہ رہو! میں تمہارے مابین دو خزانے چھوڑے جا رہا ہوں' ان میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے' وہی حبل اللہ ہے۔''

ایک حدیث میں مزید وضاحت ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے' دیکھا کہ صحابہ کرام ؓ قرآن حکیم کا مذاکرہ کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلَيْسَ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّ الْقُرْآنَ جَآءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ؟ قُلْنَا بَلٰى! قَالَ: ((فَاَبْشِرُوْا فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ طَرْفُهٗ بِيَدِ اللّٰهِ وَطَرْفُهٗ بِاَيْدِيْكُمْ، فَتَمَسَّكُوْا بِهٖ فَاِنَّكُمْ لَنْ تَهْلِكُوْا وَلَنْ

تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا)) (معجم الکبیر للطبرانی)

''کیا تم اس بات کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور قرآن اللہ کی کتاب ہے؟'' صحابہ ؓ نے عرض کیا: کیوں نہیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''پس خوشخبری حاصل کرو کہ اس قرآن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں ہے' لہٰذا اس کو مضبوطی سے تھام لو' پس اس کے بعد تم ہرگز نہ تو ہلاک ہوگے اور نہ گمراہ ہوگے۔''

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ)) (مصنف ابن ابی شیبہ) ''اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے۔''

رمضان اور قرآن کا باہمی تعلق

رمضان اور قرآن کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ رمضان ہی وہ مقدس مہینہ ہے جس میں غارِ حرا میں رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید کی پہلی وحی نازل ہوئی۔

قرآنی نصوص کے علاوہ متعدد احادیث میں بھی رمضان اور قرآن کے باہمی تعلق کی طرف واضح اشارات موجود ہیں۔ مثلاً حضرت ابوہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ)) (رواہ البخاری ومسلم)

''جو لوگ رمضان کے روزے ایمان اور اجر وثواب کی امید کے ساتھ رکھیں گے ان کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے' اور اسی طرح جو لوگ ایمان اور اجر وثواب کی اُمید کے ساتھ رمضان (کی راتوں) میں قیام کریں گے (اور اس میں قرآن پڑھیں گے اور سنیں گے) تو ان کے بھی سب گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ' يَقُوْلُ الصِّيَامُ :اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِيْهِ ' وَيَقُوْلُ الْقُرْآنُ : مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِيْهِ ' فَيُشَفَّعَانِ)) (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

''روزہ اور قرآن دونوں قیامت کے دن بندے کی سفارش کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو دن کے اوقات میں کھانے پینے اور نفس کی خواہش کو پورا کرنے سے روکے رکھا تھا' آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا: میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا' آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما۔ چنانچہ (روزہ اور قرآن) دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی۔''

اس ضمن میں یہ نوٹ کر لیجیے کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے جس ماہ میں بھی روزے فرض ہوتے تو اس سے روزے کا مقصد تو پورا ہو جاتا' لیکن اللہ ربّ العزت نے خصوصی طور پر روزوں کے لیے ماہِ رمضان کو اس لیے منتخب کیا کہ اس ماہِ مبارک کی ایک عظیم شب لیلۃ القدر میں قرآن حکیم کا نزول ہوا ہے' اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم دن کے روزے کی طرح رات کے قیام کا بھی اہتمام کریں اور رمضان المبارک کی راتوں کو قرآن حکیم کے پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے میں صرف کریں۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے مذکورہ بالا احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے رمضان کی راتوں میں نماز تراویح کے ساتھ ''دورۂ ترجمہ قرآن'' کا اہتمام کیا' جو بحمد اللہ گزشتہ ۳۱ برس سے مختلف شہروں میں مسلسل جاری وساری ہے اور اس میں ہر سال اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

صومِ رمضان کے فضائل

مضمون کے آخر کے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صومِ رمضان کے چند ایک فضائل بھی بیان کر دیے جائیں تاکہ ان فضائل کو دیکھتے ہوئے بلا عذر روزہ چھوڑنے والے بھی روزہ رکھنے کی طرف مائل ہو سکیں ـــــ رمضان کے روزے بہت فضیلت کے حامل ہیں' یہی وجہ ہے کہ جملہ عبادات میں سے روزہ وہ واحد عبادت ہے جس کے بارے میں احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

((اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ)) (جامع الترمذی)

''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔''

بعض علماء نے اعراب کے تھوڑے سے فرق سے ((اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اُجْزٰی بِہٖ)) اس کا معنی یہ کیا ہے: ''روزہ میرے لیے ہے اور میں (یعنی میری ذات) ہی اس کا بدلہ ہے۔''

روزہ داروں کے لیے جنت کا ایک دروازہ مخصوص ہے جس میں سے صرف روزہ دار ہی

داخل ہوں گے' اُن کے علاوہ کوئی اور اس دروازہ سے داخل نہیں ہوگا۔ حضرت سہل بن سعد سعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ بَابًا یُقَالُ لَہُ الرَّیَّانُ یَدْخُلُ مِنْہُ الصَّائِمُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ' لَا یَدْخُلُ مِنْہُ اَحَدٌ غَیْرَ ھُمْ' یُقَالُ: اَیْنَ الصَّائِمُوْنَ ؟ فَیَقُوْمُوْنَ' لَایَدْخُلُ مِنْہُ اَحَدٌ غَیْرُھُمْ' فَاِذَا دَخَلُوْا اُغْلِقَ فَلَمْ یَدْ خُلْ مِنْہُ اَحَدٌ)) (رواہ البخاری و مسلم)

''یقیناً جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ''ریان'' (تروتازگی) کہا جاتا ہے' اُس دروازہ سے قیامت کے دن روزے دار داخل ہوں گے' ان کے علاوہ کوئی اُس سے داخل نہیں ہوگا۔ کہا جائے گا کہاں ہیں روزے دار؟ تو وہ کھڑے ہو جائیں گے۔ اس دروازے سے ان کے علاوہ کوئی اور داخل نہ ہوگا۔ پس جب وہ داخل ہو جائیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا اور کوئی اس میں داخل نہ ہو سکے گا۔''

اسی طرح روزے دار کے منہ کی بُو کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَاللّٰہِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ)) (صحیح مسلم)

''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مسک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔''

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رمضان المبارک کا صحیح معنوں میں احترام کرنے اور اس میں وہ تمام اعمال وافعال کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو نبی آخر الزماں ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ماہِ رمضان میں کیا کرتے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ ہمیں دن کا روزہ اور رات کے قیام بالقرآن کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین!

❁❁❁

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا

روزہ

اپنے آداب کے آئینے میں

عتیق الرحمٰن صدیقی

اپنے مَن میں ڈوب کر زندگی کا سراغ ملے تو کیونکر؟ کیا طہارت اور تزکیہ کے بغیر سوچ بچار کا یہ انداز قابلِ حصول ہے؟ بندگیٔ ربّ کے بغیر یہ ممکن ہی کیسے ہے۔ بندگی پرستش کا بھی نام ہے اور ربِّ قدیر کی اطاعت کا بھی۔ بندے تو سب اللہ کے ہیں مگر خالصتاً اس کا بندہ بننا سہل اور آسان نہیں۔ قرآن حکیم نے حضور کریم ﷺ کو ''عبدہٗ'' کہا۔ حضرت اقبالؒ تو بندگی کو شانِ خداوندی پر ترجیح دیتے ہیں کہ مقامِ بندگی دے کر بھی وہ یہ اعزاز لینے کے لیے تیار نہیں۔ بندگیٔ رَبّ' یعنی تعلق باللہ کے لیے خاصی مشقت اور ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کثافت تنزل کے گڑھے میں گراتی ہے اور لطافت کی پرواز ثریا سے بھی آگے ہے۔

اب کثافت کا استیصال کیسے ہو' لطافت کی معراج کیونکر میسر ہو؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے نظامِ عبادات تشکیل دیا ہے' نماز جسمانی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی' دونوں ہی زندگی کا محور ہیں۔ حج بھی انفرادی اور اجتماعی منفعت میں حسن کردار کا باعث بنتا ہے' مگر روزہ کی شان ان سب میں نرالی ہے' باطن کی صفائی کے لیے اس کا کردار اپنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر روزے فرض کیے اور پہلی اُمتوں کو بھی اس آزمائش سے گزارا جاتا رہا' یہ کوئی انہونی بات نہ تھی۔ یہی تو ہے جو تقویٰ کا سرچشمہ ہے۔ بیماروں اور معذوروں کے لیے سہولت بھی ہے۔ اس ماہِ مقدس کی شان یہ ہے کہ اس میں اللہ نے ایسی کتاب نازل فرمائی جو خیر و برکت سے معمور ہے اور زندگی گزارنے کا مکمل ڈھنگ بتاتی ہے۔ اس میں ہدایت کی کھلی کھلی دلیلیں ہیں جن سے حق و باطل نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ جیسا کہ المنجد میں لفظ ''فرقان'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: ''ہر وہ چیز فرقان ہے جس سے حق و باطل میں تمیز کی جا سکے' نیز برہان''۔ سورۃ الفرقان میں فرمایا: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ

نَذِیْرًا ①﴾ ''مبارک ہے وہ رب جس نے اپنے بندے پر قرآن (فرقان) نازل کیا تاکہ وہ اہلِ عالم کے لیے خبردار کرنے والا ہو''۔ روزوں کے لیے رمضان کا مہینہ مختص کیا گیا تاکہ اللہ کے بندے تشکّر کا اظہار کریں اور ہر لحظہ اس کی بڑائی بیان کریں۔

روزے کی اللہ سے خصوصی نسبت

یہ سوز و مستی اور جذب و شوق کی دنیا ہے۔ بندۂ مؤمن و مسلم وقتِ سحر جس عزم کا اظہار کرتا ہے سورج غروب ہونے تک اسی پر استقامت اختیار کیے رکھتا ہے اور حلال چیزوں کو بھی اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے۔ روزے کا مقام و منصب بہت ارفع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلصِّیَامُ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَا یَعْلَمُ ثَوَابَ عَمَلِهٖ اِلَّا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَ))(الترغیب: ۸۲/۲) ''اور روزہ اللہ عزوجل کے لیے ہے' اس کے عمل کا ثواب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ((اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ)) (رواہ الترمذی) ''روزہ میرے لیے ہے اور اس کا بدلہ میں خود دوں گا۔'' اس سے مراد یہ ہے کہ میں خود اتنا دوں گا کہ مخلوق اس کا اندازہ نہیں کر سکتی۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس کی مراد کے تعین کے بارے میں علماء کی مختلف آراء ہیں' اس لیے کہ ساری عبادات اللہ کے لیے ہوتی ہیں تو روزہ کی خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کے کیا معنی ہیں!۔۔۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ چونکہ کسی بھی قوم نے کسی بھی زمانہ میں روزہ کے ذریعہ غیر اللہ کی عبادت نہیں کی' اس لیے یہ خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' اس کے خلاف نماز' صدقہ' سجدہ وغیرہ کی شکل میں غیر اللہ کی عبادت کی گئی ہے''۔ (البشیر والنذیر' حصہ دوم)

روزہ کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبتِ خاص روزہ کی شان اور اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے' اور اللہ وحدہ لاشریک اس کا بدلہ اپنی شان کے مطابق دے گا۔ بعض علماء نے روزے کی اللہ کی طرف خاص نسبت ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ روزہ ایک چھپی ہوئی چیز ہے اس لیے ریا کا امکان اس میں کم ہوتا ہے' بخلاف نماز' حج' صدقہ وغیرہ کے۔ چونکہ روزہ میں روزہ دار کے نفس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا اس لیے یہ خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ کھانے پینے سے استغناء اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے' اس لیے روزہ دار اس صفت کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے۔

روزے کے آداب

حضور ﷺ نے فرمایا: ((اَلصِّیَامُ جُنَّةٌ))(متفق علیہ) ''روزہ ڈھال ہے''۔ ڈھال

ہونے کا مطلب ہے کہ جیسے آدمی اللہ کی حفاظت میں آتا ہے اسی طرح روزہ کے ذریعے بھی اپنے دشمن شیطان سے حفاظت ہوتی ہے۔ روزہ کی حالت میں جھوٹ' غیبت سے احتراز بہت ضروری ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے' جبکہ جمہور کہتے ہیں اگرچہ روزہ ٹوٹتا نہیں مگر اس کی برکات جاتے رہنے سے انکار نہیں۔

علماء ومشائخ نے روزہ کے آداب میں پانچ امور لکھے ہیں:

(۱) نگاہ کی حفاظت: کسی بے محل جگہ پر نہ پڑے' حتیٰ کہ بیوی پر بھی شہوت کی نگاہ نہ پڑے۔

(۲) زبان کی حفاظت: جھوٹ' چوری' لغو' بکواس' غیبت' بدگوئی' بدکلامی اور جھگڑا سب چیزیں اس میں داخل ہیں۔

(۳) کان کی حفاظت: ہر مکروہ چیز سے بچے' جس کا کہنا اور زبان سے نکالنا جائز نہیں۔

(۴) باقی اعضائے بدن کی ممنوعات سے حفاظت: ہاتھ کا ناجائز چیز پکڑنے سے' پاؤں کا ناجائز چیز کی طرف چلنے سے اور پیٹ کا افطار کے وقت مشتبہ چیز سے محفوظ رکھنا۔

(۵) افطار کے وقت حلال مال سے اتنا زیادہ نہ کھانا کہ شکم سیر ہو جائے۔

روزے کے فضائل: احادیث کی روشنی میں

احادیث مبارکہ میں روزے کے بے شمار فضائل بیان کیے گئے ہیں' جن میں سے چند ایک ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَاللّٰہِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ یَفْرَحُھُمَا :اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ بِفِطْرِہٖ وَاِذَا لَقِیَ رَبَّہٗ فَرِحَ بِصَوْمِہٖ)) (رواہ البخاری ومسلم)

''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ روزے دار کے منہ کی خوشبو اللہ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ روزے دار کے لیے خوشی کے دو مواقع ہیں جو اُسے خوش کرتے ہیں: (۱) جب وہ افطار کرتا ہے تو اپنی افطاری سے خوش ہوتا ہے۔ اور (۲) جب اپنے رب سے ملاقات کرے گا تب اپنے روزے پر خوش ہوگا۔''

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اُغْزُوْا تَغَنَّمُوْا، وَصُوْمُوْا تَصِحُّوْا، وَسَافِرُوْا تَسْتَغْنُوْا)) (المعجم الاوسط)

''جنگ کرو مال غنیمت پاؤ گے' روزے رکھو صحت مند رہو گے' سفر کیا کرو دولت مند ہو جاؤ گے۔''

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَوْ اَنَّ رَجُلًا صَامَ یَوْمًا تَطَوُّعًا ثُمَّ اُعْطِیَ مِلْءَ الْاَرْضِ ذَھَبًا لَمْ یَسْتَوْفِ ثَوَابُہٗ دُوْنَ یَوْمِ الْحِسَابِ)) (رواہ ابویعلی والطبرانی)

''جس شخص نے ایک دن کا نفلی روزہ رکھا اگر اس کو پوری دنیا بھر کا سونا دے دیا جائے تب بھی اس کا ثواب پورا نہیں ہوگا' روزِ جزا سے پہلے اس کا ثواب پورا ہو ہی نہیں سکتا۔''

☆ حضرت سلمہ بن قیصر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ صَامَ یَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْہِ اللّٰہِ بَاعَدَہُ اللّٰہُ مِنْ جَھَنَّمَ كَبُعْدِ غُرَابٍ طَارَ وَھُوَ فَرْخٌ حَتّٰی مَاتَ ھَرِمًا)) (مجمع الزوائد:۳/۶۶)

''جس نے ایک دن کا روزہ اللہ کو خوش کرنے کے لیے رکھا' اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے اتنا دور کر دے گا جیسے کوّے کا بچہ اُڑنا شروع کرے اور اُڑتے اُڑتے بہت بوڑھا ہو کر مر جائے۔''

اس روایت میں کوّے کی مثال اس لیے دی گئی ہے کہ کوا مسلسل اُڑنے اور دُور دراز مسافت طے کرنے میں خاصا کمال رکھتا ہے۔ پھر اس کی عمر بھی عام پرندوں سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ شروع عمر سے جب وہ اُڑنا شروع کر دے تو اندازہ کیجیے کہ وہ اپنی پوری زندگی اڑ کر کس قدر فاصلہ طے کر لے گا۔

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کا جو سمندر کے راستے جا رہی تھی' امیر بنا کر بھیجا۔ جب اندھیری رات میں انہوں نے بادبان اٹھایا تو ان کے اوپر سے آواز دینے والے نے آواز دی (آواز دینے والا نظر نہیں آ رہا تھا) اے کشتی والو! ٹھہرو' بلاشبہ اللہ نے ایک فیصلہ فرما دیا ہے' میں تم کو وہ بتاتا ہوں۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر بتلانا چاہو تو بتاؤ کیا فیصلہ ہے۔ اُس نے کہا:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَضٰی عَلٰی نَفْسِہٖ اَنَّہٗ مَنْ اَعْطَشَ نَفْسَہٗ لَہٗ فِیْ یَوْمٍ صَائِفٍ سَقَاہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْعَطْشِ (الترغیب والترھیب:۲/۱۰۸)

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے فیصلہ فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو گرمی کے دن اللہ کی خاطر پیاسا رکھے گا (روزہ رکھے گا) اللہ تعالیٰ اس کو پیاس والے دن سیراب کرے گا۔''

اور ابن ابی الدنیا میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت یوں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَضٰی عَلٰی نَفْسِہٖ اَنَّہٗ مَنْ اَعْطَشَ نَفْسَہٗ فِیْ یَوْمٍ حَارٍّ كَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ اَنْ یُّرْوِیَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ

''اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب کیا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو گرمی کے دن پیاسا رکھے (روزہ رکھے) اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ قیامت کے دن اس کو سیراب کرے۔''

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ ؓ سخت گرمی کے دن کو جس میں گرمی کی شدت کی وجہ سے قریب ہوتا کہ جسم کی کھال ہی اُتر جائے' (نفلی) روزہ کے لیے طے فرماتے اور اس میں روزہ رکھتے۔

☆ عبداللہ بن ابی ملیکہ نے عبداللہ بن عمرو ؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''روزہ دار کو افطار کے وقت ایک دعا ملتی ہے جو رد نہیں ہوتی''۔ عبداللہ بن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ کو افطار کے وقت یہ دعا کرتے ہوئے سنا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِرَحْمَتِکَ الَّتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ

(رواہ البیھقی)

''اے اللہ! میں تجھ سے تیری رحمت کے صدقے جو ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو میرے گناہ بخش دے۔''

☆ حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی: ایک روزہ دار کی افطار کے وقت' دوسرا عادل بادشاہ کی اور تیسرے مظلوم کی' جس کو حق تعالیٰ شانہٗ بادلوں سے اُوپر اٹھا لیتے ہیں اور آسمان کے دروازے اس کے لیے کھول دیے جاتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: میری عزت کی قسم! میں تیری ضرور مدد کروں گا۔'' (ترمذی' ابن ماجہ)

☆ حضرت ابوامامہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہؐ! مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیں۔ ارشاد فرمایا: ((**عَلَیْکَ بِالصَّوْمِ فَاِنَّہٗ لَا مِثْلَ لَہٗ**)) (رواہ النسائی) ''اپنے اوپر روزے کو لازم سمجھو کیونکہ اس جیسا کوئی عمل نہیں ہے۔''

روزے کے باطنی فوائد

ہم نے اوپر کی سطور میں یہ لکھا تھا کہ ظاہری و باطنی نکھار' صفائی ستھرائی اور طہارت و تزکیہ کے لیے محنت' مشقت' ریاضت ضروری ہے۔ تزکیہ کا اقتضاء اس وقت پورا ہوتا ہے جب اپنے نفس کو کنٹرول میں رکھا جائے' کھانے پینے اور شہوت رانی سے مکمل احتراز کیا جائے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے مقصودِ بعثت کی تکمیل بھی اسی وقت ہوتی ہے۔ تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ ان کے پیش نظر رہا ہے۔ نفس کشی اور رہبانیت مقصود نہیں' عزیمت و استقامت' صبر و مصابرت اور باطل سے ٹکرانے کے لیے ایمان کی پختگی اور کردار کا حسن مطلوب ہے۔ روزہ ان خصائص کو

پیدا کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا' اس لیے قرآن حکیم نے **لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ** کے الفاظ استعمال کیے۔ تہذیب اور تزکیۂ نفس کے لیے اسلام نے روزہ کو اصول میں سے ٹھہرا دیا ہے۔ **المصالح العقلیہ** جلد دوم' کتاب الصوم میں مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

''☆ روزے سے انسان کی عقل کو نفس پر پورا پورا تسلط اور غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ ☆ روزے سے خشیت و تقویٰ کی صفت انسان میں پیدا ہوتی ہے۔ ☆ روزہ رکھنے سے انسان کو اپنی عاجزی و مسکنت اور خدا تعالیٰ کے جلال اور اس کی قدرت پر نظر پڑتی ہے۔ ☆ روزہ سے چشم بصیرت کھلتی ہے۔ ☆ دور اندیشی کا خیال ترقی کرتا ہے۔ ☆ کشف حقائق الاشیاء ہوتا ہے۔ ☆ درندگی اور بہیمیت سے دوری ہوتی ہے۔ ☆ ملائکہ الٰہی سے قرب حاصل ہوتا ہے۔ ☆ خداوند تعالیٰ کی شکر گزاری کا موقع ملتا ہے۔ ☆ انسانی ہمدردی کا دل میں ابھار پیدا ہوتا ہے۔ ☆ روزہ موجب صحت جسم و روح ہے' چنانچہ قلت اکل و شرب کو اطبّاء نے صحت جسم کے لیے اور صوفیاء کرام نے صفائی دل کے لیے مفید لکھا ہے۔ ☆ روزہ انسان کے لیے ایک روحانی غذا ہے جو آئندہ جہان میں انسان کو ایک غذا کا کام دے گا۔ ☆ روزہ محبت الٰہی کا ایک بڑا نشان ہے' جیسے کوئی شخص کسی کی محبت میں سرشار ہو کر کھانا پینا چھوڑتا ہے اور بیوی سے تعلقات بھی اس کو بھول جاتے ہیں' ایسے ہی روزہ دار خدا کی محبت میں سرشار ہو کر اسی حالت کا اظہار کرتا ہے' یہی وجہ ہے کہ روزہ غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہے۔''

روزے کے شام و سحر میں ایک جذب بھی ہے اور کیف بھی۔ اس کی مختلف جہتیں ہیں۔ تنوع نے اس کی رعنائی و زیبائی کو دوبالا کر دیا ہے۔ آدابِ سحر خیزی کی راہوں سے گزر کر بھوکا پیاسا ایک آدمی بارگاہ رب العزت میں دستِ بدعا ہوتا ہے۔ افطاری کے وقت ایک گونہ مسرت محسوس کرتا ہے۔ تراویح کی نماز میں قرآن سنتا ہے' ایک مسنون عمل کے ذریعے فرحت محسوس کرتا ہے' ذکر و اذکار سے راتوں کو منور کرتا ہے۔ پھر آخری عشرہ میں اللہ سے سرگوشیاں کرتا ہے' غرضیکہ روزوں میں دن بھی چہکتے ہیں اور راتیں بھی انوار و تجلیات سے ضیا بار ہوتی ہیں۔ اس طرح یہ روزہ سال بھر کی کوتاہیوں' غلطیوں اور گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((**مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ**)) (متفق علیہ)

''جس نے ایمان کی حالت میں احتساب کو پیش نظر رکھتے ہوئے رمضان کا روزہ رکھا اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔''

مسنون اعتکاف کی فضیلت

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جس طرح شمسی سال کا ہر مہینہ مخصوص موسم لے کر آتا ہے اسی طرح قمری سال کا نواں مہینہ ''رمضان'' اللہ تعالیٰ کی بھرپور رحمتوں کا سماں ہے۔ اس ماہ میں رب کائنات کی لامحدود رحمتیں بارش کی مانند برستی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق رمضان کا پہلا عشرہ رحمتوں کا، دوسرا عشرہ بخشش کا اور تیسرا دوزخ کی آگ سے رہائی کی خاصیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے استقبال کے لیے خصوصی تیاری کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس مہینے کو شَهْرٌ عَظِيْم اور شَهْرٌ مُبَارَك فرمایا ہے۔

رمضان مبارک کئی اعتبارات سے خصوصی فضائل کا حامل ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید کے نزول کا آغاز ہوا۔ قرآن مجید حضور ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ اور کتابِ ہدایت ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لیا ہے۔ اس ماہ کے روزے فرض کیے گئے ہیں اور راتوں کی عبادت کی تلقین کی گئی ہے۔ اسی ماہ میں لیلۃ القدر ہے جس کی شان یہ ہے کہ قرآن کریم میں اسے خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ کہا گیا ہے، یعنی یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ گویا اس ایک رات کا عمل خیر برس ہا برس کی نیکیوں کے برابر ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر حد درجہ مہربان ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ((اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ)) یعنی مخلوقِ خدا اللہ تعالیٰ کا کُنبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف اعمال اور مختلف اوقات کو خصوصی فضیلت دی ہے تاکہ اس کے بندے زیادہ سے زیادہ فائدے اٹھائیں، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں لوٹیں اور ڈھیروں ثواب حاصل کریں۔

رمضان المبارک کا پورا مہینہ ہی بابرکت اور باسعادت ہے کہ اس کے روزے رکھنا فرض اور رات کے نوافل پسندیدہ ہیں، مگر اس کا آخری عشرہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے آنے کے انتظار میں رہتے تھے۔ خود بھی اس میں عبادت کی مشقت کے لیے

تیار ہوتے تھے اور گھر والوں کو بھی تلقین کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اس آخری عشرے میں عبادت وغیرہ میں وہ مجاہدہ کرتے اور مشقت اٹھاتے جو دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے۔ اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهٖ (رواہ مسلم)

''رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں (عبادات وغیرہ میں) اتنی کوشش کرتے جو باقی عام دنوں میں نہیں کرتے تھے۔''

رمضان کے آخری عشرے کی خصوصی فضیلت کی بنا پر اس میں اعتکاف کی عبادت رکھ دی گئی ہے کہ جو بندہ استطاعت رکھتا ہو وہ رمضان کا آخری عشرہ مسجد میں بایں طور گزارے کہ وہ دن کو روزے دار ہو اور رات کو شب بیدار۔ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپؐ ہر سال رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے تھے، بلکہ ایک سال کسی وجہ سے اعتکاف نہ کر سکے تو اگلے سال آپ نے دو عشروں کا اعتکاف کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے اس عمل سے اعتکاف کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اس بارے میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ملاحظہ ہو۔ وہ بیان کرتی ہیں:

اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ (رواہ البخاری)

''نبی اکرم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے آپؐ کو اٹھا لیا۔ پھر آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی اعتکاف کرتی تھیں۔''

خواتین کے لیے ان کے اعتکاف کا مقام ان کے گھر کی وہی جگہ ہے جو انہوں نے نماز پڑھنے کے لیے مختص کر رکھی ہو۔ اگر گھر میں کوئی ایسی جگہ نہ ہو تو اعتکاف کے لیے گھر میں کوئی پُرسکون جگہ مقرر کر لینی چاہیے۔

اعتکاف کی حالت میں انسان دنیوی مصروفیات سے فارغ ہوتا ہے اور اس کے یہ دس دن مسجد کے پاکیزہ اور بابرکت ماحول میں بسر ہوتے ہیں۔ وہاں نہ کوئی دنیوی بات چیت ہوتی ہے نہ کسی ناجائز کام کا موقع ہوتا ہے۔ پنجگانہ فرض نمازوں کی ادائیگی اس سہولت کے

ساتھ مل جاتی ہے کہ قیامِ جماعت کے وقت بندہ مسجد ہی میں موجود ہوتا ہے اور آسانی سے ہر نماز کی تکبیر تحریمہ میں شامل ہو جاتا ہے' جبکہ دوسرے دنوں میں یہ فضیلت مشکل ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ نمازوں کی اس پابندی کے علاوہ اس کا وقت ذکر واذکار اور تلاوتِ قرآن میں گزرتا ہے۔ قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کے لیے اس کے پاس کافی وقت ہوتا ہے۔ مزید برآں اگر وہ چاہے تو وقت سے فائدہ اٹھا کر قرآن کی چند سورتیں زبانی یاد کر سکتا ہے جو زندگی بھر اس کے حافظے میں محفوظ ہو جاتی ہیں اور وہ انہیں وقتاً فوقتاً پڑھ کر ثواب حاصل کرتا رہتا ہے۔

انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ اچھے کام کرنے کی ازبس کوشش کے باوجود اس سے برائیاں بھی صادر ہو جاتی ہیں۔ اعتکاف ایسی عبادت ہے کہ معتکف اعتکاف کے دوران صرف ذکر واذکار' تلاوت اور نمازوں میں وقت گزارتا ہے اور اس کے یہ دس دن گناہوں کے بغیر گزرتے ہیں۔ گویا اس کی زندگی کا یہ وقفہ گناہوں سے پاک صاف اور نیکیوں سے لبریز گزرتا ہے۔ اس طرح اعمال کی کتاب کا یہ بے خطا حصہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا اور دوسری خطاؤں کی معافی کا ذریعہ بن جائے گا۔

لیلۃ القدر بھی اسی عشرے میں ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یوں سمجھئے کہ اعتکاف کا ایک مقصد لیلۃ القدر کی تلاش بھی ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے ترغیب دی ہے۔ نبی اکرم ﷺ خود بھی اعتکاف میں لیلۃ القدر کو تلاش کرتے تھے اور اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی لیلۃ القدر کی تلاش کا حکم فرماتے تھے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ))
(رواه البخاری)

شب قدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔''

معتکف آخری عشرے کی تمام راتیں مسجد میں ذکر واذکار اور تلاوت اور نماز میں گزارتا ہے۔ پس اسے ضرور ہی شب قدر مل جاتی ہے اور وہ اس سے مقدور بھر فائدہ اٹھا لیتا ہے۔

لیلۃ القدر کی ایک فضیلت یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے مقرّب فرشتے ان لوگوں کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں جو ذکر واذکار اور نمازوں میں مصروف ہوتے ہیں۔ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرائیل فرشتوں کے جھرمٹ میں نازل ہوتے ہیں اور ہر اُس بندے کے لیے دعائے رحمت کرتے

ہیں جو کھڑا یا بیٹھا اللہ کے ذکر اور عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔'' (شعب الایمان للبیہقی)

لیلۃ القدر کے لیے حتمی طور پر ایک مخصوص رات نہیں بتائی گئی' بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ یہ رمضان مبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہوتی ہے۔ گویا یہ کوئی بھی طاق رات ہو سکتی ہے۔ اس مخصوص رات کو حکمت کے تحت خفیہ رکھا گیا ہے' مگر یہ معتکف کی خوش نصیبی ہے کہ وہ اس عشرے کی ہر رات عبادت میں گزرتا ہے اور اس طرح لازمی طور پر لیلۃ القدر کو پا لیتا ہے جس کے فضائل بے حد وحساب ہیں۔

رمضان کے اس آخری عشرے میں اللہ کی رحمت زوروں پر ہوتی ہے' لہٰذا معتکف کو کثرت کے ساتھ استغفار اور دعا کے لیے ہاتھ پھیلانے کا موقع ملتا ہے۔ حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے بتائیے اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کونسی رات شب قدر ہے تو میں اس رات اللہ تعالیٰ سے کیا عرض کروں اور کیا دعا مانگوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کہو:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ)) (رواه الترمذی)

''اے اللہ! تو بہت معاف فرمانے والا اور کرم فرمانے والا ہے اور معاف کر دینا تجھے بہت پسند ہے' پس تو میری خطائیں معاف فرما دے۔''

چونکہ شب قدر آخری عشرے ہی کی ایک رات ہوتی ہے لہٰذا معتکف کو موقع میسر ہے کہ وہ ہر رات کثرت سے یہ دعا کرے۔ اس طرح اس کی یہ دعا یقیناً لیلۃ القدر کی بھی دعا ہوگی۔

اس ضمن میں یہ بھی یاد رکھیے کہ اعتکاف ایک سنجیدہ عمل اور عبادت ہے۔ مسجد میں دس دن گزارنے کے شوق میں کم عمر بچے جو ان ایام کی قدر و قیمت اور آداب سے آگاہ نہ ہوں اعتکاف نہ کریں' بلکہ وہی لوگ اعتکاف کا ارادہ کریں جو نہ صرف اعتکاف کی پابندیوں پر عمل کر سکیں بلکہ یہاں شب و روز کی فراغت سے روحانی ارتقاء حاصل کریں اور اس دس روزہ تربیت سے فائدہ اٹھائیں۔ فضول محافل اور لایعنی باتوں سے گریز کریں۔ نماز باجماعت کا اہتمام کریں۔ غرض حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں سستی' کاہلی اور لاپرواہی سے اجتناب کریں۔ اسی طرح دورانِ اعتکاف یہ بھی ملحوظ رہے کہ زبان پر سختی سے کنٹرول کیا جائے تاکہ کسی قسم کا غلط لفظ زبان سے نکلے' نہ کسی کی غیبت ہو اور نہ کوئی جھوٹی بات کہی جائے تاکہ اعتکاف کا سارا وقفہ نیکی میں مصروف اور برائیوں سے بچا ہوا گزرے۔ (باقی صفحہ 136 پر)

فتنۂ دجالیت

سورۃ الکہف کی ابتدائی اور آخری آیات کے تناظر میں

رحمت اللہ بٹر

اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِهِ الۡکِتٰبَ وَلَمۡ یَجۡعَلۡ لَّهٗ عِوَجًا ؕ﴿۱﴾ قَیِّمًا
لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡهُ وَیُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ
اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۙ﴿۲﴾ مَّاکِثِیۡنَ فِیۡهِ اَبَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّیُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ
وَلَدًا ٭﴿۴﴾ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمۡ ؕ کَبُرَتۡ کَلِمَةً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ؕ
اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا کَذِبًا ﴿۵﴾ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا
الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا ﴿۶﴾ اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَی الۡاَرۡضِ زِیۡنَةً لَّهَا لِنَبۡلُوَهُمۡ اَیُّهُمۡ اَحۡسَنُ
عَمَلًا ﴿۷﴾ وَاِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَیۡهَا صَعِیۡدًا جُرُزًا ؕ﴿۸﴾

''تمام خوبیاں اُس اللہ کے لیے ثابت ہیں جس نے اپنے خاص بندے (ﷺ) پر یہ کتاب نازل فرمائی اور نہ رکھی اس میں کچھ کجی۔ ٹھیک اتاری تاکہ ڈر سناوے ایک سخت آفت کا اللہ کی طرف سے (یعنی سخت جنگ جو مسلط ہو گی) اور خوشخبری دے ایمان لانے والوں کو جو کرتے ہیں نیک اعمال کہ ان کے لیے اچھا بدلہ ہے' جس میں رہا کریں گے ہمیشہ' اور آگاہ کر دے ان کو جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ ان کے پاس اس بارے میں کوئی علم نہیں اور نہ ہی ان کے آباء واَجداد کے پاس کچھ علم تھا۔ بہت بڑی بات ہے جو نکال رہے ہیں اپنے مونہوں سے' سب جھوٹ ہے جو وہ کہتے ہیں۔ (اے نبی ﷺ!) شاید آپ اپنے آپ کو غم سے ہلکان کر لیں گے ان کے پیچھے اگر وہ اس کتاب پر ایمان نہ لائے۔ ہم نے بنایا ہے جو کچھ اس زمین پر ہے اس کی

رونق تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ کون ان میں اچھا کرتا ہے کام۔ اور ہم کو کر دینا ہے جو کچھ اس (زمین) پر ہے چٹیل میدان۔''

وَّعَرَضۡنَا جَهَنَّمَ یَوۡمَئِذٍ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ عَرۡضَا ۙ﴿۱۰۰﴾ الَّذِیۡنَ کَانَتۡ اَعۡیُنُهُمۡ فِیۡ غِطَآءٍ
عَنۡ ذِکۡرِیۡ وَکَانُوۡا لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ سَمۡعًا ﴿۱۰۱﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا
عِبَادِیۡ مِنۡ دُوۡنِیۡۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلۡ هَلۡ
نُنَبِّئُکُمۡ بِالۡاَخۡسَرِیۡنَ اَعۡمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَهُمۡ
یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ﴿۱۰۴﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمۡ وَلِقَآئِهٖ
فَحَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فَلَا نُقِیۡمُ لَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وَزۡنًا ﴿۱۰۵﴾ ذٰلِکَ جَزَآؤُهُمۡ جَهَنَّمُ بِمَا
کَفَرُوۡا وَاتَّخَذُوۡۤا اٰیٰتِیۡ وَرُسُلِیۡ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
کَانَتۡ لَهُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا لَا یَبۡغُوۡنَ عَنۡهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾
قُلۡ لَّوۡ کَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیۡ
وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُکُمۡ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ ۚ فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَةِ
رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

''اور اُس روز ہم پیش کریں گے جہنم ان کافروں کے سامنے جیسے پیش کی جاتی ہے۔ جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا رہا میری یاد (اس کتاب) سے اور نہ انہوں نے سننے کی کوشش کی۔ کیا سمجھتے ہیں کافر کہ ٹھہرائیں گے میرے ہی بندوں کو میرے سوا حمایتی؟ ہم نے تیار کیا ہے دوزخ کو ایسے کافروں کی مہمانی کے لیے۔ فرما دیجیے: ہم بتائیں تم کو کہ اپنے اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں؟ وہ لوگ جن کی کوشش گم ہو کر رہ گئی دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب کام کر رہے ہیں۔ وہی ہیں جنہوں نے کفر کیا ہے اپنے رب کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا' سو برباد ہوا ان کا کیا دھرا' پھر نہ کھڑی کریں گے ہم ان کے واسطے قیامت کے دن ترازو۔ یہ بدلہ ہے ان کا جہنم' اس وجہ سے کہ وہ منکر ہوئے اور میری باتوں کا اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا۔ (اس کے برعکس) جو لوگ ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں اچھے کام ان کے واسطے ہے ٹھنڈی چھاؤں کے باغ مہمان نوازی کے لیے۔ رہا کریں گے ان میں ہمیشہ اور نہ

چاہیں گے جگہ بدلنی۔ فرما دیجیے: اگر سمندر سیاہی ہو کے لکھے جائیں میرے رب کی باتیں بے شک سمندر خرچ ہو جائیں گے پھر بھی پوری نہ ہوں گی میرے رب کی باتیں اگرچہ ہم اور لائیں اتنی ہی سیاہی مدد کے لیے۔ فرما دیجیے: میں تو بس ایک آدمی ہوں جیسے تم‘ وحی کی جاتی ہے مجھ پر کہ معبود تمہارا ایک ہی معبود ہے۔ پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے تو وہ کرے کام نیک اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو۔‘‘

آیاتِ سورۃ الکہف میں فتنہ دجالیت سے متعلق مضمر حقائق

سورۃ الکہف کے ان دونوں حصوں کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو ان کو حفظ کرے گا‘ یعنی الفاظ و عمل کو محفوظ کر لے گا‘ وہ فتنہ دجالیت سے بچ جائے گا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دو مقامات میں کون سے حقائق ہیں جو فتنہ دجالیت سے بچانے والے ہیں اور فتنہ دجالیت ان دو مقامات میں کس کو قرار دیا گیا ہے اور اس کی علت کیا ہے۔

دونوں مقامات پر فتنہ دجالیت کی بنیادی وجہ ایک تو عیسائیوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے کر آخرت کی جوابدہی سے براءت کا تصور ہے اور دوسرے تورات کو ترک کر کے دین موسوی کو مذہب بنا دینا ہے۔ اور آخری آیات میں اللہ کے اولیاء کو قیامت میں نجات دہندہ قرار دینے کا عقیدہ ہے‘ جس سے آخرت میں شفاعت کی امید اور پکڑ سے بے خوفی آتی ہے اور دین کو مذہب بنا کر ساری توجہ دنیاداری بن جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

’’اور آگاہ کر دے ان کو جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ ان کے پاس اس کے لیے کوئی علم نہیں اور نہ ان کے باپ دادا کے پاس تھا۔ بہت بڑی بات ہے جو وہ اپنے منہ سے نکال رہے ہیں‘ اور صاف جھوٹ بول رہے ہیں۔ آپ ﷺ اپنے آپ کو ہلکان کر لیں گے یہ سوچ کر کہ اس کا کیا نتیجہ نکلنے والا ہے اگر یہ اس کتاب (قرآن مجید) پر ایمان نہ لائے!‘‘

اور یہ حقیقت ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ان کی کسی مستند کتاب میں بھی درج نہیں ہے‘ بلکہ اسے ایجاد کر کے پھیلانے والا تو پہلے عیسائیت کا سخت مخالف تھا اور پھر اس نے عیسائیت کا لبادہ اوڑھا اور خود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حواری قرار دے کر اصل نصرانیت کا تیاپانچا کیا۔ سینٹ پال جس نے اس نظریہ کو ایجاد کیا اس نے تورات کو ساقط کیا کہ یہ یہودیوں کی کتاب ہے اور یہودیوں نے ہمارے رسول کو سولی چڑھوا دیا۔ اس لیے ہم ان کی کتاب کو نہیں مانتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شریعت سے عیسائیت بَری ہو گئی‘ کیونکہ انجیل میں تو شریعت ہے ہی نہیں۔ اس کی وجہ سے بادشاہوں کو

اختیار مل گیا کہ جو جی چاہے قانون بنائیں اور حکومت کریں۔ اور اسی کو تبدیل کر کے عوامی حاکمیت آ گئی۔ اور پھر دین مذہب بن کر صرف عقیدہ‘ عبادات اور رسومات کا نام رہ گیا۔

دوسرے ولدیت مسیح سے جو نتیجہ نکالا گیا کہ مسیح علیہ السلام کو خدا نے سولی چڑھوا کر تمام ماننے والوں کے گناہوں کا کفارہ بنا دیا ہے۔ یہی کفارہ کا عقیدہ ہے جس سے پوری عیسائی دنیا آخرت کی جوابدہی سے فارغ ہو گئی اور اپنے گناہوں سے بَری کر دی گئی اور مسیحؑ پر ایمان لانا ہی آخرت کی نجات بن گیا۔ پہلے تو یہ اختیار پوپ (جو خدا کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا) کے ذریعہ حاصل ہوتا تھا‘ لیکن بعد میں جب اس کے خلاف پروٹسٹ کیا گیا اور پروٹسٹنٹس معرضِ وجود میں آئے تو اس کی ضرورت بھی نہ رہی اور سب کے لیے عذاب سے چھٹکارا صرف عیسائیت کے اس تصور کو ہی قرار دے دیا گیا کہ خدا کے بیٹے کو سولی چڑھا کر کفارہ بنا دیا گیا ہے۔ اس عقیدہ کے آثار پوری دنیا پر ظاہر ہوئے ہیں کہ جب آخرت کا کوئی فکر نہیں تو دنیا میں آگے بڑھو‘ اپنے لئے تمام آسائشیں حاصل کرو‘ دنیا پر حکمران بن جاؤ اور تمام زمین کے خزانوں سے اپنے لیے سامانِ تعیش و آسائش حاصل کرو۔

سورۃ الکہف کی آخری آیات میں اس چیز کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾﴾

’’کیا گمان کر رکھا ہے ان کافروں نے کہ وہ میرے بندوں کو میرے سوا اولیاء بنا لیں گے؟ (یعنی میرے سامنے سفارش پیش کر دیں گے اور بچ جائیں گے؟) میں نے ایسے لوگوں کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے مہمان نوازی کے لیے۔‘‘

یہ ہے شفاعتِ باطلہ کا عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور انبیاء اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش ہو کر اپنے ماننے والوں کو چھڑا لیں گے‘ اس لیے اب اللہ تعالیٰ کی بندگی کی ضرورت نہیں ہے‘ بلکہ اولیاء کے مزاروں پر حاضری اور ان کے لیے چڑھاوے کافی ہیں۔ اسی بنیاد پر اس اُمت کی بھی اکثریت آخرت سے نچنت اور بے خوف ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی ترقی اور آسائشوں کا حصول ہی پوری اسلامی دنیا کا ہدف قرار پایا ہے اور اسی کو کامیابی کا معیار ٹھہرا لیا گیا ہے۔ اس طرزِ عمل پر قرآن حکیم کا تبصرہ یہ ہے:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾﴾

''کیا ہم آپ کو آگاہ نہ کریں کہ کمائی کے لحاظ سے سب سے زیادہ گھاٹے میں کون رہنے والے ہیں؟ وہ جن کی ساری بھاگ دوڑ گم ہو کر رہ گئی دنیا ہی کی زندگی میں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نے بہت اچھا کام کیا ہے۔''

آج تمام مسلمان حکومتوں اور رعایا کا یہی معیار ہے' جس پر انہیں ناز ہے کہ ہم نے رعایا کو زیادہ سہولیات مہیا کر کے ریکارڈ قائم کیا ہے اور یہی اصل کامیابی کا ترازو سمجھا جاتا ہے۔ آج تمام مسلمان حکومتوں کا یہی دعویٰ ہے اور اس کے لیے دوسرے سیاست دان بازی لے جانے کی دعوت دے کر حکومت کے تخت پر قابض ہوتے ہیں۔ پھر ہر حکمران پہلے مزاروں پر حاضری دیتا ہے' اللہ کے حضور حاضر نہیں ہوتا۔ اسے ان ہی کی غلامی منظور ہے جو ان کو قرض دیتے ہیں اور جس سے ان کے لیے آسائشیں حاصل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کا کوئی خوف نہیں ہے' کیونکہ آخرت کی جواب دہی کے خوف سے تو مزارات پر حاضری' نعت و قوالی' عید میلاد اور عرس و میلے ہی نجات دلا دیتے ہیں۔ اور دین کا تصور بس مذہب کی حد تک قائم رہتا ہے۔ اسی لیے آج ہمارا ''دین'' بھی ''مذہب'' بن کر رہ گیا ہے اور علماء کرام صرف اس کو پڑھنے پڑھانے اور مساجد و مدارس چلانے تک رہبری و رہنمائی کو اپنا فریضہ قرار دے چکے ہیں۔ پارلیمنٹ میں جو چاہے قانون پاس ہو اس سے دین پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ بس تھوڑا احتجاج کر کے پارلیمنٹ کی پوری مراعات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اگر ہو سکے تو حکومت وقت میں بھی شامل ہو جانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے' اگرچہ معلوم ہے کہ وہ کون سا قانون چلا رہے ہیں۔

سورۃ الکہف کے مذکورہ دونوں مقامات پر اس کا علاج قرآن مجید پر ایمان لا کر اس کے مطابق زندگی گزارنا بتلایا گیا ہے' جو اصل کامیابی کا ذریعہ ہے۔ سورت کے شروع میں قرآنِ مجید کے بارے میں فرمایا گیا کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی کمی و کجی نہیں ہے اور اس پر ایمان نہ لانے کی صورت میں فتنہ دجالیت میں مبتلا ہونے سے متنبہ کیا گیا ہے اور اس پر عمل کرنے میں آخرت کی کامیابی مضمر ہے۔ آخر میں بھی یہی فرمایا گیا ہے:

﴿وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۝١٠٠ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝١٠١﴾

''ہم جہنم پیش کر دیں گے کافروں کے سامنے جیسے پیش کی جاتی ہے۔ جنہوں نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہوں گی میرے کلام سے اور نہ ہی سننے کی کوشش کی ہوگی۔''

اور پھر فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝١٠٧ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝١٠٨﴾

''اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے مہمان نوازی کے طور پر جنت الفردوس ہے' اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے جانا نہیں چاہیں گے۔''

یعنی ان کے لیے جنت الفردوس کا انعام ہے جو لوگ پورے قرآن مجید پر ایمان لا کر اس کے مطابق پورا نظام چلا رہے ہوں گے' کیونکہ قرآن مجید تو اسی کو عمل صالح قرار دیتا ہے اور جو کوئی اس کے احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے انہیں فاسق و کافر و ظالم (یعنی مشرک) قرار دیتا ہے۔

تیسری چیز جسے دونوں جگہوں پر نمایاں کیا گیا ہے وہ اللہ کے رسول ﷺ کی عبدیت ہے۔ چنانچہ آغاز میں فرمایا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ﴾

''سارا شکر اور کُل تعریف اس ذاتِ عالیہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر یہ کتاب نازل کی۔''

اور آخر میں فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝١١٠﴾

''فرما دیجیے کہ میں تو ایک انسان ہوں تم جیسا' ہاں میرے پر وحی ربانی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا معبود (حاجت روا' مشکل کشا' بچانے والا) ایک ہی معبود ہے۔ پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہے اسے چاہیے کہ نیک اعمال اختیار کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔''

اور یہ بندگی صرف نماز روزہ کا نام نہیں' بلکہ معاشرتی' معاشی اور سیاسی معاملات میں بھی اُسی کے اختیار کو ماننے کا نام ہے۔

یہ ہیں وہ تین مشترک مضامین جو سورۃ الکہف کی ابتدائی آیات میں اور پھر آخری آیات میں بیان ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کے بارے میں نوید ہے کہ جو ان کو یاد کرے اور ان کا عمل محفوظ کرے وہ فتنہ دجال سے بچ جائے گا جو آج پوری دنیا پر چھایا ہوا ہے کہ آخرت کی کوئی فکر نہیں ہے اور ساری امیدیں اور خوف صرف دنیا کی زندگی کے بارے میں ہے۔ اور یہی ہے وہ

اندھا پن جو دجال کے ذریعہ بھی ظاہر ہوگا جب وہ ظاہر ہوگا اور دنیا کی آسائشوں کو حاصل کرنے کے لیے انسان اس کی طرف دوڑیں گے جیسے آج بھی وہی دوڑ لگی ہوئی ہے اور اصل حقائق سے آنکھ بند ہوگئی ہے۔یعنی :

ربوبیت	=	اللہ	بالمقابل	کائنات
انسان	=	روح	بالمقابل	جسد خاکی
زندگی	=	آخرت	بالمقابل	دنیا

دورِ حاضر کا دجّالی فتنہ

''مسیح الدجال'' کی شخصیت سے یہاں بحث نہیں ہے' یہ جداگانہ مسئلہ ہے۔ اصل مقصود وہ فتنہ دجالیت ہے جیسے مسیح الدجال کی طرف رسولوں کی پیشین گوئیوں میں منسوب کیا گیا ہے۔جس سے ہر رسول اپنی امت کو آگاہ کرتا رہا ہے اور نبی آخر الزماں ﷺ کو تو اس کے بارے میں بہت تشویش تھی' کیونکہ آپؐ آخری رسول ہیں اور یہ آخری اُمت' اور آپؐ کو معلوم تھا کہ وہ اس امت میں برپا ہونا ہے۔''دجل'' فریب کو کہتے ہیں اور اس فتنے کی بنیاد بھی یہی ہے کہ انسان فریب کو اصل سمجھ لیں گے اور اصل سے لاتعلق ہو جائیں گے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں جو اصل حقائق بیان کئے ہیں ان سے لاتعلقی اور جو متاع الغرور ہے اس کو اصل کامیابی کا راز قرار دے دیا جائے گا۔اور اس وقت پوری دنیا اس غرور اور فریب کے شکنجے میں مبتلا ہے۔اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جو اسباب پیدا کئے ہیں ان کو اصل سمجھ لیا گیا ہے اور اب ان ہی پر انسان کا توکل ہے' حالانکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے اِذن کے پابند ہیں' لیکن اب اُمید اور خوف ان ہی سے ہے جن کے پاس وسائل ہیں' کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جسے بھی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتا ہے اس کی عزت بھی کرتا ہے' اُس کے در پر بھی جاتا ہے اور اُس کی فرمانبرداری بھی کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج انفرادی لحاظ سے بھی اور اجتماعی وقومی سطح پر بھی صاحب اختیار اور صاحب وسائل ہی کی طرف رجوع ہے اور اسی کی فرمانبرداری ہے۔ حالانکہ یہ حیثیت تو ہونی چاہئے رب العالمین کے لیے جس نے یہ سارے وسائل پیدا کئے ہیں۔لیکن وقت وہ آ گیا ہے جس کے بارے میں آنحضور ﷺ نے خبردار کیا تھا اور فرمایا تھا:

((تَكُوْنُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ فِتَنٌ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِيْ كَافِرًا ، وَيُمْسِيْ مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيْعُ اَقْوَامٌ دِيْنَهُمْ

بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا)) (رواہ الترمذی)

''قیامت سے پہلے ایسے فتنے ہوں گے جیسے اندھیری رات کے ٹکڑے۔آدمی صبح کو مؤمن ہوگا تو شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو مؤمن ہوگا تو صبح کو کافر ہو جائے گا۔ قومیں اپنا دین دنیا کے سامان کے عوض بیچ دیں گی۔''

حالانکہ ایمان باللہ وہ مطلوب ہے جو اُس کی صفات واسماءِ حسنیٰ کے ساتھ ہو' وہ یقین پیدا کرتا ہے۔وہ خالق ہی نہیں مالک بھی ہے۔اس کی مشیت اور اس کا اختیار ہر شے پر حاوی ہے۔وہ **عَلٰی کل شیء قدیر، بکل شیء علیم** اور **الحی القیوم** ہے۔اس لیے بندۂ مؤمن اقرار کرتا ہے: **سبحان اللّٰہ والحمدللّٰہ** ..... یعنی اس کی ذات وصفات میں کوئی کمی کوتاہی یا نقص نہیں ہے' وہ العزیز اور الحکیم ہے۔کسی چیز میں کوئی ذاتی تاثیر نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے اور اس کے اذن کی پابند ہے۔

مادیت پرست کا یقین

اس کے مقابلے میں اپنی عقل' ایجادات اور مشاہدات پر مبنی ایمان اللہ تعالیٰ سے دور لے جاتا ہے۔سائنٹیفک بنیادوں پر اشیاء میں موجود خواص کے ظہور اور اس پر مبنی ریسرچ پر تو اعتقاد ہے جس کا اظہار ان الفاظ میں ہوتا ہے:

﴿مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝۳۵ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝۳۶﴾ (الکھف)

''میرا نہیں خیال کہ یہ سب کچھ کبھی برباد بھی ہوسکتا ہے۔اور میں یہ گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور اگر مجھے لوٹا ہی دیا گیا اپنے رب کی طرف تو میں لازماً پاؤں گا اس سے بھی بہتر پلٹنے کی جگہ۔''

میرا تجربہ' میری ذہانت اور عقل وفراست جو یہاں کام آئی ہے اس کی بنیاد پر وہاں بھی میرے حق میں بہتر نتائج نکلیں گے۔یہ بدل ہے جو شیطان نے دیا: **بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا**۔اب ذرا جائزہ لے لیجیے پاکستان' بنگلہ دیش' مصر' شام' عراق و دیگر اقوام مسلمان کا کہ کس طرح ان کے بارے میں یہ فرمان صادق آتا ہے۔

انسان کو شرف دینے والی شے تو روحِ ربانی ہے جس میں لقاء اللہ کا شعور ہے اور اسی شعور کی تذکیر کے لیے اللہ تعالیٰ اپنا کلام نازل کرتا رہا ہے تاکہ انسان کی روح زندہ رہے اور انسان

کو اللہ کی طرف مائل کرتی رہے۔ لیکن اس کلام سے تو ہم نے رشتہ کاٹ لیا ہے اور ہم نے خود کو بھی ترقی یافتہ حیوان ہی قرار دے لیا ہے۔ اس لیے سارا فکر اس خاکی وجود کی غذا' آسائش اور آرائش کا ہے اور اسی کے لیے پوری زندگی کی توانائیاں لگا رہے ہیں۔ اور اکثر کو تو روحانیت سے الرجی ہے' اس لیے قرآن مجید جو روح کی غذا کے لیے نازل کیا گیا ہے اسے صرف ثواب کی کتاب بنا رکھا ہے اور صرف ناظرہ کی حد تک اولاد کو پڑھوانا ذمہ داری ہے۔ باقی پڑھنے والی چیز جو سمجھ کر پڑھی جائے وہ دُنیوی علوم ہیں کیونکہ روٹی اس سے ملتی ہے اور وہی ہمارا اصل مقصود ہے۔ اگر روحانیت سے کوئی لگاؤ ہے تو روحانی بزرگوں کو تو آخرت کے لیے ذریعہ قرار دے رکھا ہے کہ وہ کمائی کر گئے اور اب ان سے نسبت ہی کام کر جائے گی اور ان کے لیے نذرانہ اور حاضری کافی ہے' کیونکہ ان کا اور کوئی تقاضا نہیں ہے—— اور اصل تو یہ زندگی ہے اور یہ وسائل کی محتاج ہے۔ اس لیے اب وسائل کی تگ و دو ہی اصل ہدف ہے۔ آخرت تو بس کہنے کو ہے اور اس کے لیے یہ کافی ہے کہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہو گئے ہیں اور عید شب برات کو خوب حلوے مانڈے کھاتے اور کھلاتے ہیں اور بزرگوں سے نسبت قائم رکھتے ہیں' بلکہ نئی عید بھی ایجاد کر لیتے ہیں تاکہ دل کو تسلی رہے کہ ان کے ساتھ تعلق ہے اور آخرت میں وہی کافی ہے۔

موجودہ دور میں تو کلام اللہ سے ہمارا تعلق تو بس اتنا ہے کہ ثواب کے لیے پڑھ کر مُردوں کو بخش دیتے ہیں اور علماء سوء نے بھی اس کو اس حد تک باور کروایا ہے کہ ہر جمعرات کو ختم دلواؤ۔ تیجا' ساتا' دسواں اور چہلم پر ان سے پڑھوا کر اپنے جانے والوں کو بخشوالو۔ اور یہ سب کچھ ہوا ہے پہلی امتوں میں بھی' اللہ کے بندوں کی نسل ہونے کی وجہ سے' جیسے یہود نے قرار دے لیا کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ' سَيُغْفَرُ لَنَا اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے کر اور ان کو سولی چڑھوا کر اپنے لیے بخشش کا سامان کر لیا۔ اور اب یہ اُمت بھی ان ہی کے نقش قدم پر چل کر وہیں پہنچ گئی ہے جس کی طرف اشارہ ہے آخری آیات میں کہ ﴿اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ﴾۔ کافر بھی بتوں کو اللہ کے برگزیدہ بندے قرار دے کر سمجھتے تھے کہ وہ ہمارے سفارشی ہوں گے اور بخشوالیں گے اور آج امت مسلمہ کی اکثریت بھی بزرگوں کو اس حیثیت میں مان رہی ہے کہ وہ ہمارے سفارشی ہوں گے اور ان سے تعلق قائم کرنا ہی کافی ہے۔ باقی کرنے والا کام تو دنیا میں مقام حاصل کرنا ہے' جسے قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا کے الفاظ سے واضح کیا گیا ہے کہ کمائی کے لحاظ سے

سب سے گھاٹے والے وہ ہوں گے جنہوں نے ساری تگ و دو لگا دی دنیا کمانے میں اور سمجھتے رہے کہ بڑے ترقی یافتہ ہو گئے ہیں اور قوم کو بڑی آسائشیں مہیا کر رہے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر ہے' کیونکہ یہ ساری آسائشیں تو بس حبطِ اعمال کے مترادف ہیں اور یہیں رہ جائیں گی۔ اس لیے قیامت کے دن ان کے لیے ترازو کی بھی ضرورت نہ پڑے گی۔ یہ اولیاء و انبیاء پرستی ہے جو پہلی امتوں میں بتوں کی صورت اختیار کر لیتی تھی لیکن اب وہ مزار پرستی کی صورت میں ظاہر ہو گئی ہے۔ نتیجہ تو ایک ہی ہے' آخرت سے بے خوفی اور نجات کی امید اور دنیا پرستی اور وسائل کے لیے پوری تگ و دو۔ حالانکہ قرآن مجید ان تصورات کی کیسے نفی کرتا ہے۔ سورۂ مریم میں فرمایا: ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾﴾ ''انہوں نے اللہ کے علاوہ کچھ الٰہ (مشکل کشا اور حاجت روا) بنا رکھے ہیں تاکہ ان کی عزت کا ذریعہ بنیں۔ ہرگز نہیں' وہ ان کی فرمانبرداری کا انکار کر دیں گے اور ان کے مخالف ہوں گے''۔ ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾﴾ ''اور قیامت کے دن یہ سب اکیلے اکیلے اللہ کے سامنے پیش ہونگے''۔ اور فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ﴾ (الزمر:۳) ''اور انہوں نے اللہ کے علاوہ اور اپنے اولیاء قرار دے رکھے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں (فرمانبرداری' حاضری + نذرانہ) کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں''۔ یعنی ساڈیاں انہاں دے اگے تے ایہہ خود ہی بخشوالین گے۔ اور فرمایا: ﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٤٥﴾﴾ (الزمر) ''جب اللہ کے ایک ہی ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے (کہ وہی بااختیار ہے اور اسی کے سامنے پیش ہونا ہے) تو گھٹ کر رہ جاتے ہیں ان کے دل جن کو آخرت کا ایمان نہیں ہے (یعنی صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا) اور جب دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے کہ (وہ کام آئیں گے' سفارشی بنیں گے) تو ان کے دل کھل اٹھتے ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٥﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿٦﴾﴾ (الاحقاف) ''اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے دعا کرتا ہے جو طاقت نہیں رکھتا اس کی دعا قبول کرنے کی قیامت تک بھی اور وہ تو

ان کی دعاؤں سے ہی غافل ہیں۔ اور جب انسانوں کو جمع کیا جائے گا تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی دعاؤں کا انکار کر دیں گے۔''

آج ان ہی سہاروں اور گدی نشینوں کی تسلیوں سے امت مسلمہ آخرت سے بے خوف اور دنیا کی دیوانی ہوگئی ہے اور اب اسے نماز روزہ کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ حضرت ابوامامہ باھلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَتُنْقَضَنَّ عُرَى الْإِسْلَامِ عُرْوَةً عُرْوَةً، فَكُلَّمَا انْتَقَضَتْ عُرْوَةٌ تَشَبَّثَ النَّاسُ بِالَّتِيْ تَلِيْهَا، فَأَوَّلُهُنَّ نَقْضًا الْحُكْمُ وَآخِرُهُنَّ الصَّلَاةُ)) (صحيح الترغيب للالبانی' ح:٥٧٢)

''اسلام کی کڑیاں ایک ایک کر کے ٹوٹیں گی۔ جب ایک کڑی ٹوٹے گی تو لوگ اس کے ساتھ والی کو پکڑ لیں گے۔ پس پہلی کڑی حکومت کی ٹوٹے گی اور آخری کڑی نماز کی۔''

اب اُمت میں نمازیوں کی کتنی تعداد رہ گئی ہے؟ باقی ہم تو اصل میں فحاشی اور عریانی اور کرپشن میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی کوشش میں ہیں۔

سورۃ الکہف کے مضامین کا خلاصہ

یہی حقائق سورۃ الکہف میں مختلف واقعات کے ذریعے واضح کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلے اصحابِ کہف کا واقعہ ہے جس میں اللہ پر توکل کرنے والوں اور ایمان وعمل اختیار کرنے والوں کے لیے بشارت ہے: مَا كِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی امان میں رہیں گے۔ اور اسباب وعلل سب اُسی کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہی بندوں کے دلوں میں ثبات پیدا کرنے والا ہے' اگرچہ حالات مخالف اور اسباب بالکل میسر نہ ہوں۔ پھر ایک مثال کے ذریعہ یہ بات واضح کر دی گئی کہ کس طرح دنیوی اسباب ووسائل انسان کو اللہ تعالیٰ اور آخرت سے غافل کر دیتے ہیں اور وہ اس دنیا کو لازوال سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور ان اسباب کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا نتیجہ مان کر آخرت سے غافل ہوتا ہے اور خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس دنیا میں اسے جیسے نوازا گیا ہے اگر آخرت قائم ہوئی تو اسے وہاں بھی نوازا جائے گا' کیونکہ اس میں کوئی خوبی ہے جس کی وجہ سے دنیا ملی ہوئی ہے اور وہ خوبی آخرت میں بھی کام آئے گی۔ مردِ مؤمن نے یہی اسے یاد دلایا ہے کہ تو خود بھی اپنے آپ پیدا نہیں ہوا اور سارے کائنات کے اسباب میں بھی صلاحیت تیری پیدا کی ہوئی نہیں ہے بلکہ کسی اور کی ہے۔ تجھے کہنا

چاہئے تھا کہ مَاشَاءَ اللّٰہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ اور آخرت کو مانتا تھا لیکن مال واسباب پا کر اس سے غافل ہوگیا تھا۔ اور یہی کچھ ہوتا ہے اہل ثروت اور اہل اقتدار کا کہ وہ بھول جاتے ہیں خالق ومالک کو اور اسی دنیا کو سدا بہار قرار دے لیتے ہیں اور آخرت کے بارے میں بھی یہی تصور کر لیتے ہیں کہ اگر آ بھی گئی تو اس سے اچھا ہی ملے گا ہماری ذہانت اور فطانت کی بنیاد پر اور اس خوبی کی بنیاد پر جو ہمیں ملی ہوئی ہے۔

دوسری مثال اس دنیا کی بیان کر دی ہے جس پر اکثریت کا انحصار ہے کہ اس کی اصلیت کیا ہے۔ جب بارش برستی ہے تو زمین پر بکھرے ہوئے دانے پودوں کی صورت میں لہلہا اٹھتے ہیں' پھر چند روز میں خشک ہو کر بھوسا بن کر زمین میں مل جاتے ہیں۔ یہی حال اس دُنیوی زندگی کا ہے جو اُس کے قبضہ قدرت میں ہے جو عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے' جب چاہے اسے ختم کر دے۔ لیکن نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مقصد زندگی کو سامنے رکھ کر جب سرکشی کی زندگی گزاری تو وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا جو کیا سامنے پائیں گے اور پھر اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جس سے مفر نہیں' کیونکہ تیرا ربّ کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ جو کسی کی کمائی ہے وہی اس کے اعمال نامہ میں لکھی ہے اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی گئی۔ وہی اعمال نامہ سامنے رکھ دیا جائے گا اور کہا جائے گا اپنا حساب خود ہی کر لو کہ تم کس جزا وسزا کے مستحق ہو!

پھر قصہ آدم وابلیس بیان ہوا جس میں یہ حقیقت بیان کر دی ہے کہ ابلیس اللہ کا نافرمان بنا' یہ جانتے ہوئے کہ اللہ میرا رب ہے۔ اور یہی غافل انسان کرتا ہے جو خالق ومالک کو بھول کر اس دنیا کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے آنکھیں' کان اور سوچنے کے لیے دل اور دماغ بھی دیا تھا اور اپنی آیات بھی نازل کر دی تھیں' لیکن وہ ان کا مذاق ہی اڑاتا رہا اور سمجھتا رہا کہ مجھ پر کسی کا اختیار نہیں ہے' حالانکہ یہ اُس کے رب کی رحمت ومغفرت تھی جو اسے مہلت دے رہی تھی' کیونکہ اس نے بدلہ کے لیے دوسرا جہان رکھا ہوا ہے جس میں پیش ہونا ہوگا جس سے بچنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

پھر حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ یہی تو بتاتا ہے کہ دنیا میں مادی ذرائع ہی حرفِ آخر نہیں ہیں' بلکہ واقعات کے پیچھے جو حکمت کارفرما ہوتی ہے وہ اصل میں قابل غور ہے۔ اور وہ مالک کائنات کے دیے ہوئے علم ہی سے حاصل ہوتی ہے' مادی ذرائع سے نہیں۔ اور اس کارخانہ بدیع السمٰوات میں اصل حکمت اس کی کارفرما ہے جس نے اسے ایجاد کر کے اس میں

بے انتہا خزانے رکھے ہیں تاکہ ان کو ڈھونڈ کر اس کے پیدا کرنے والے کو بھی یاد کر لیا جائے۔

قصہ ذوالقرنین میں یہ بات سمجھا دی گئی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر اس کی دی ہوئی خلافت کو ادا کرنا چاہتا ہے اسے ایسا ہی حاکم ہونا چاہئے جو رعایا کے ساتھ ان کے کردار کے مطابق سلوک کرے اور اپنے اختیارات سے جو بھی بھلائی ان کے لیے ممکن ہو اس کا بندوبست کرے' اور یہ ان پر احسان نہیں ہوگا بلکہ اپنے فریضہ کی ادائیگی ہوگی۔

حرفِ آخر

سورۃ الکہف میں مذکور ان تمام واقعات میں ہمارے لیے رہنمائی ہے کہ ہم قرآن مجید کی راہ کو اختیار کریں اور اس متاعِ غرور سے بچ کر آخرت کی فکر کریں جو باقی رہنے والی اور ہماری کمائی کی بنیاد پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم اختیار کرنے کی توفیق دے۔ آمین!

یہ یاد رکھیے کہ اصل فتنہ دجالیت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یقین نہیں رہے گا کہ وہ خالق و مالک کائنات ہے اور **علی کل شئ قدیر ، فعال لما یرید اور بکل شئ علیم** ہے' بلکہ جس کے پاس دنیا کے وسائل ہوں گے اس سے امید اور خوف ہوگا اور اس کے در پر حاضری ہوگی۔ اللہ کے سامنے حاضر ہونے کی نوبت نہ آئے گی۔ انسان کو جو شرف ملا ہے وہ روحِ ربانی سے ملا ہے' لیکن اس کے بارے میں کوئی فکر نہ ہوگا کہ ہے بھی یا نہیں یا اس کو نشوونما کی ضرورت ہے۔ بلکہ صرف جسم خاکی کو انسان قرار دے کر اس کی حاجات' آسائشوں اور نشوونما کی فکر ہوگی۔ اور کہنے کو کہا جائے گا کہ اصل زندگی آخرت کی ہے' لیکن اس کے لیے کسی عمل کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ اصل زندگی اس دنیا کی زندگی کو قرار دے دیا جائے گا اور اس کی کامیابی اصل کامیابی قرار پائے گی اور اس کے لیے ساری قوت و توانائی اور اوقات کار لگیں گے۔ یہی نقشہ ہے جو آج پوری دنیا میں نظر آ رہا ہے۔ آج ضرورت ہے اللہ کی کتاب کی طرف آنے کی اور اس پر یقین لانے کی تاکہ اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات بن جائے اور اس قرآن کے ذریعہ روح میں یقین پیدا کیا جائے اور آخرت کی کامیابی کو اصل کامیابی قرار دیا جائے' کیونکہ قرآن مجید اسی کو کامیابی قرار دیتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسۡئَلُکَ علمًا نافعًا ورزقًا حلالًا طیبًا واسعًا وعملًا صالحًا وشفاءً من کل داءٍ وَوَفِّقۡنَا لِنَعۡبُدَکَ مُخۡلِصًا لَکَ دِیۡنَنا ونستعینُکَ لِاسۡتِقامۃِ علٰی ذٰلکَ یا ارحم الراحمین!!

مثالی معاشرہ: قرآن کی نظر میں

محفوظ الرحمٰن قاسمی ☆

معاشرہ ایک ایسا ادارہ ہے کہ جس میں انسان صحیح تعلیمات کے مطابق زندگی گزار سکیں۔اس کا سنگ بنیاد مرد اور عورت کا وہ تعلق ہے جس کو قرآن مجید رحمت ومودت سے تعبیر کرتا ہے۔ چونکہ انسان مدنی الطبع ہے' یعنی معاشرے کی تشکیل اس کی فطرت کا تقاضا ہے' لہٰذا وہ اپنے ماحول' اپنی خواہشات اور دیگر عوامل کی وجہ سے معاشرتی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ وہ ان ہی مختلف ضروریات اور خواہشات کے لیے معاشرے کے دوسرے افراد سے مل کر مربوط کوششیں کرتا ہے۔اس سے اسے جو منافع حاصل ہوئے تو ان کے نتائج میں وہ انفرادیت اور تنہائی سے گریز کرنے لگا۔ وقت کے رواں دواں ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کی یہ معاشرتی وسماجی تنظیم ترقی کرتی گئی اور اس کے نتیجہ میں دنیا اخوت' مساوات' قومیت' بین الاقوامیت' ہمدردی' اخلاص ومحبت وغیرہ صفات سے متعارف ہوئی۔ مختلف زمانوں میں انسانوں نے اپنے وقت اور تقاضے کے حالات کے مطابق معاشروں کی تشکیل کی۔ان کی وجہ سے دنیا میں تہذیب وتمدن کا ارتقاء ہوا' لیکن مرورِ زمانہ کی وجہ سے ان میں خرابیاں و بداطواریاں شروع ہوگئیں۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاشرے دو اقسام پر تشکیل ہوئے تھے' ایک خود انسانوں نے اپنی طرف سے اپنے حالات وواقعات کے مطابق تشکیل دیے تھے' دوسرے بحکمِ الٰہی بذریعہ انبیاء کرام علیہم السلام ان معاشروں کی تشکیل عمل میں آئی۔ بہرحال معاشرے کسی بھی طریق سے تشکیل پائے ہوں' تعلیماتِ صحیحہ کو فراموش کرنے کی وجہ سے ان معاشرں میں خرابیاں در آئیں' جن کی وجہ سے یہ معاشرے زوال کا شکار ہوتے چلے گئے۔ پھر ان زوال شدہ معاشروں میں روح پھونکنے کے لیے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری پیغمبر مبعوث کیا اور اس پر اپنی سب سے اعلیٰ وارفع کتاب نازل کی' جس کی وجہ سے اس دنیا میں ایک ایسا مثالی معاشرہ

☆ ریسرچ اسکالر شعبہ دینیات (سنی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی mrehmanqasmi@gmail.com

رو بہ عمل ہوا' جس کی چمک دمک نے تمام دُنیوی نظروں کو خیرہ کر دیا' جو بھی اس کی روشنی میں آیا وہ سر جھکانے پر مجبور ہو گیا۔

قرآن کریم نے اس معاشرے کی بنیاد تین اصولوں پر رکھی:

(۱) توحید (۲) رسالت (۳) آخرت

قرآن کریم نے مختلف آیات میں توحید کا حاصل یہ بتایا کہ ساری کائنات کا خالق ومالک اور حاجت روا ومشکل کشا صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مانا جائے۔ اس کی صفاتِ مخصوصہ علم' کمال' قدرت' خلق' تقدیر وغیرہ میں ذرہ برابر بھی کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے' اور انسان یہ عقیدہ پختہ رکھے کہ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کے اِذن ومشیت سے ہوتا ہے' سارا جہاں اس کا ملک ومملکت ہے' اس میں صرف اس کا حکم اور قانون چلتا ہے' اس کے مخالف کوئی بھی حکم اور قانون قابل عمل نہیں' بلکہ رد کے قابل ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے مباحات کا ایک وسیع دائرہ رکھا ہے' جس میں انسانوں کو اپنے زمانوں اور عہدوں کے موافق قانون سازی کا حق دیا گیا ہے۔لیکن سوال یہ ہے کہ قانونِ خداوندی تک بندے کی رسائی کیسے ہو؟ تو اس کے لیے خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک مہتم بالشان سلسلہ اپنے مخصوص بندوں کا انبیاء ورسل علیہم السلام کی شکل میں جاری فرمایا' اور ان کے ذریعہ عام انسانوں تک اپنا ہدایت نامہ نازل فرماتا رہا۔ آخر میں اُس نے اپنی آخری کتاب اپنے سب سے مخصوص بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کر کے قیامت تک کے لیے اس کو ''ہدایت نامہ'' بنا کر حتمی شکل دے دی' لہٰذا جو شخص اس ہدایت نامہ پر عمل کرے گا اس کا ٹھکانہ اللہ کے نزدیک جنت ہے اور جو اس پر عمل نہیں کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے' یعنی نیکوکار لوگوں اور بدکار لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے کے لیے اللہ نے ایک قانون بنایا ہے جس کو ہم ''جزا وسزا کے قانون'' سے تعبیر کرتے ہیں' جس سے ہر انسان کو بعد الموت سابقہ پڑتا ہے۔ یہ قانون ہی انسان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ اس کو آخرت میں ہر اچھے اور بُرے عمل کا جواب دہ ہونا ہے' لہٰذا وہ ایک صالح انسان بننے کی سعی کرتا ہے۔

غرض یہ اصولِ ثلاثہ ایک دوسرے پر مترتب ہیں اور ان سب کی اصل توحید ہی ہے' جو درحقیقت نجاح وفلاح اور اَمن وسکون کی ضامن ہے۔

قرآن مثالی معاشرہ کی بنیاد ان تین اصولوں پر رکھ کر انسان کے اندر اخلاقِ فاضلہ کا ملکہ پیدا کرتا ہے اور اخلاقِ رذیلہ سے اس کے قلب ودماغ کو پاک کرتا ہے۔ مثالی معاشرہ کے عناصر ترکیبی اور اس کے موانع ومشکلات قرآن حکیم تفصیل سے بیان کرتا ہے' چنانچہ قرآن کہتا

ہے کہ جب انسان اخلاقِ حسنہ یعنی صدق وعفت، صبر وشکر، قناعت، سخاوت، ہمدردی، اخوت جیسی صفات سے آراستہ ہوگا اور بری صفات زنا، جھوٹ، تہمت، منافقت، دوغلا پن وغیرہ سے مجتنب ہوگا تو ایک اعلیٰ معاشرہ کا قیام عمل میں آئے گا۔

اسی طرح قرآن کریم یہ بھی کہتا ہے کہ انسان وہ حقوق جو اللہ تعالیٰ نے اس پر دیگر لوگوں کے لیے متعین کیے ہیں ادا کرے، مثلاً والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، ہمسایوں کے حقوق وغیرہ۔ اب مختصراً وہ آیات جو مثالی معاشرہ کی تشکیل میں معاون ہیں، ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

اخلاص

﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ﴾ (الزمر:۳)

''دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لیے ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا استحضار

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ﴾ (الحدید:٤)

''اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔''

تعاون علی البر والتقویٰ

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ (المائدۃ:۲)

''اور ایک دوسرے کی مدد کیا کرو نیکی اور تقوی والے کاموں میں۔''

استقامت

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ﴾ (ھود:۱۱۲)

''(اے پیغمبر ﷺ!) جیسا آپ کو حکم ہوا ہے اس پر جمے رہو۔''

مصالحت بین الناس

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ (الانفال:۱)

''پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور آپس میں صلح رکھو۔''

تواضع اور نرم خوئی

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ۝۸۸﴾ (الحجر)

''اور ایمان والوں سے خاطر اور تواضع سے پیش آنا۔''

﴿فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ۝۹ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۝۱۰﴾ (الضحی)

''تو آپ بھی یتیم پر ستم نہ کرنا۔ اور سائل کو جھڑکی نہ دینا۔''

صحبت صالحین

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۝۱۱۹﴾ (التوبۃ)

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور راست بازوں کے ساتھ رہو۔''

بنی آدم کا حق

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْۤ اٰدَمَ﴾ (بنی اسراء یل:۷۰)

''اور ہم نے اولادِ آدمؑ کو عزت دی۔''

غصہ کو پی جانا

﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۝۱۳۴﴾ (ال عمران)

''اور غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے۔ اور اللہ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔''

ایثار وقربانی

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ﴾ (الحشر:۹)

''اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہو۔''

جھوٹ، بہتان، غیبت اور مختلف گناہوں سے بچنے کے احکام

﴿..... فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۝۶۱﴾ (ال عمران)

''..... پھر ہم لعنت بھیجیں ان لوگوں پر جو جھوٹے ہیں۔''

﴿وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ﴾ (الحجرات:۱۱)

''اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے لقب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا ہی برا ہے۔''

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا

تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ﴾ (الحجرات:۱۲)

''اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو' کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں' اور ایک دوسرے کی ٹوہ نہ لگایا کرو' اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کیا کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو۔''

بالاختصار مثالی معاشرہ کے قیام کے لیے عناصر ترکیبی اور اس کے موانع ومشکلات قرآن نے جابجا ذکر کیے ہیں۔ اور یہ ذکر صرف قرآن ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے' بلکہ ان عناصر ترکیبی اور موانع ومشکلات کا تذکرہ بائبل میں بھی مختلف جگہ پر آیا ہے۔ مثلاً:

''تو اپنے ماں باپ کی عزت کرنا تاکہ تیری عمر اس ملک میں جو خداوند تجھے دیتا ہے دراز ہو۔'' (خروج ۲۰:۱۲)

''تو جھوٹی خبر نہ اڑا اور جھوٹی گواہی کے لیے شریر کا ساتھی مت ہو' تو بدی کرنے کے لیے انبوہ کی پیروی نہ کر' اور نہ کسی مقدمہ میں راستی بگاڑنے کے لیے لوگوں کی کثرت کی طرف داری کر کے گواہی بدل دے۔'' (خروج ۲۳:۱۔۲)

''تو جھوٹی بات سے کنارہ کر' تو بے گناہوں اور صادقوں کو مت قتل کر' کیوں کہ میں شریر کو بری نہیں کروں گا۔'' (خروج ۲۳:۷)

درج بالا تمام تعلیمات کی روشنی میں ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی ذات سے اصلاح کی سعی کر کے اپنے مثالی کردار سے ایک مثالی معاشرے کی تشکیل کے لیے تَن مَن دھن کے ساتھ جُہدِ مسلسل اور سعی پیہم کرتا رہے تو ان شاء اللہ مثالی معاشرہ کا قیام رو بہ عمل ضرور ہوگا اور دنیا جس معاشرہ کے لیے سسک رہی ہے اُسے اپنی نظروں سے دیکھے گی۔

❁❁❁

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

تبلیغ دین

سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں

محمد فہیم

تبلیغِ دین یا تبلیغِ اسلام اُمتِ مسلمہ کے ذمے ایک اہم دینی فریضہ ہے اور دین اسلام کو زندہ رکھنے اور اسے مسلسل تقویت پہنچانے کا ایک ناگزیر ذریعہ بھی۔ اگر دین کی صحیح طور پر مسلسل تبلیغ ودعوت کے ذریعے آبیاری نہ ہوتی ہو تو دین کے سکڑ کر رہ جانے کا خطرہ لاحق ہونا ردّ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ وہ کام ہے جسے انبیاء کرامؑ ان کے حواریینؓ اور صحابہؓ اور صلحائے اُمت کی مستقل سنت مانا جاتا ہے۔ تبلیغ دین کا بنیادی سبق اللہ کی طرف سے بلاوا اور انذارِ آخرت ہے' جس کے لیے ایمانِ حقیقی کی روشنی میں عمل صالح کے لیے خلوصِ دل کے ساتھ دعوت دینے کی ذمہ داری پوری کرنی ہوتی ہے۔ انذار وتبشیر وہ اصل پیغام ہے جو تمام انبیاء کی دعوت کی بنیادی صفت رہی ہے۔ اس بنیادی خصوصیت کے ساتھ ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کی ایک امتیازی شان یہ ہے کہ آپ نے بالفعل اس دین کو ایک اجتماعی نظام کی حیثیت سے غالب کر دیا اور دین اسلام کے تقاضوں اور اصولوں کے مطابق ایک اجتماعی معاشرہ کی تشکیل فرمادی۔ چنانچہ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس میں دین کی تعلیمات اور اصولوں پر انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنا نہ صرف آسان اور قابلِ عمل ہوا' بلکہ دینی اصولوں سے انحراف کی راہیں ہی مسدود ہو کے رہ گئیں۔ بالفاظِ دیگر آپ ﷺ نے دین کا بول بالا کر دیا اور اجتماعی زندگی کی گاڑی صحیح نہج پر درست سمت میں آگے بڑھنی شروع ہوگئی۔ افراد کے لیے اپنی منزل یعنی فلاحِ اُخروی کے حصول کے لیے اجتماعی حالات اور ظروف واحوال کو نہایت ہی ممد ومعاون بنا کر آگے بڑھنے کے لیے ماحول کو سازگار بنادیا گیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نہایت جان گسل مشقت اور قربانیوں کے بعد اللہ کے دین (دینِ اسلام) کو بہ تمام وکمال نافذ کر کے انسانیت کو جہالت اور کفر کے اندھیاروں سے نکال کر اللہ تعالیٰ تک پہنچنے

والے روشن اور صحیح راستے پر گامزن فرما کر نہ صرف یہ کہ انفرادی طور پر عبادتِ ربّ کے تقاضے پورے کرنے کے عمل کو آسان کر دیا بلکہ اجتماعی زندگی یعنی معاشرتی' معاشی اور سیاسی سطح پر اجتماعیت اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اصولوں پر آگے بڑھنے لگی۔ جب ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کو بہ نظرِ عمیق دیکھتے ہیں تو ہمیں آپؐ کے تبلیغِ دین اور اقامتِ دین کے عمل کے جو خدوخال نظر آتے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے جب اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو ساتھ ہی آپؐ نے اپنا ''منشور'' پوری طرح اور بالکل واضح طور پر انسانیت کے سامنے پیش کیا۔ قرآن نے مختلف پیرایوں میں نہایت صریح طور پر آپؐ کے مشن کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ مثلاً قرآن حکیم کی ابتدائی نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک یعنی سورۃ المدثر کی بالکل ابتدائی تین آیات میں پورا پیغام چند ہی الفاظ میں معجزانہ طور پر سمو دیا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳﴾ ''اے لحاف میں لیٹنے والے! اٹھو اور اپنے رب کی کبریائی کا اعلان کرو''۔ یعنی اے محمد ﷺ! اس مشکل اور بارِگراں یعنی رسالت کے کام کے لیے اب کمرِ ہمت کس کر میدانِ عمل میں اُتر جایئے۔ اب یہ فریضہ اپنے منطقی انجام تک پہنچانا یعنی انذار سے لے کر ربّ کی کبریائی منوانے اور قائم کروانے کی حد تک جدوجہد کرنا ہے۔ اس ذمہ داری کو سونپنے سے پہلے ہی سورۃ المزمل میں فرمایا گیا تھا: ﴿اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝۵﴾ ''عنقریب ہم آپؐ پر ایک بھاری بات (بوجھ ذمہ داری) ڈالنے والے ہیں''۔ اسی لیے رات کے وقت جاگنے اور قرآن کی مسلسل تلاوت کے ذریعے آپ ﷺ کی ذاتی تربیت کا اہتمام فرمایا گیا تھا۔ چنانچہ سورۃ المدثر میں حکم ہوا کہ اب اُٹھیے اور اس کام کے لیے لوگوں کو بلایئے۔ ان کے دلوں میں ایمانِ حقیقی راسخ کریں اور ان کو تربیت کے مراحل سے گزار کر کُندن بنائیں تاکہ وہ حق کے علمبردار بن کر حق کو پوری انسانیت تک نہ صرف پہنچائیں بلکہ بالفعل اللہ کی کبریائی نافذ کرنے کے لیے تن من دھن کی قربانی کے لیے تیار ہو جائیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے مکی زندگی کے دور میں قرآن پاک کی آیات کی روشنی میں لوگوں کو دعوت دی۔ جو لوگ اس دعوت کو قبول کر کے ایمان لے آئے ان کے دلوں میں آپ نے قرآنی آیات کے ذریعے ایمان کو راسخ کر دیا اور کھبا دیا۔ (الحجرات' آیت ۷)

قرآن کے ذریعے ان کی تعلیم اور تزکیہ کا اہتمام فرمایا' یعنی ان کی تربیت جاری رکھی

اوران کوسمع وطاعت کا خوگر بنا دیا۔ (التغابن، آیت ۱۶)

یہاں تک کہ ایک ایسی جمعیت فراہم فرمادی جو ہر لحاظ سے قرآنی صفات سے مزین تھی اور قرآن نے ان کو ''حزب اللہ'' کے نام سے پکارا۔ یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ کی پہلی منزل جمعیت فراہم کرنا تھی اور اس کے لیے قرآن نے جو مشن متعین فرمایا وہ یہ تھا کہ اعلانِ کلمۃ اللہ سے اعلائے کلمۃ اللہ تک پورا سلوک (process) قولاً اور عملاً انسانیت کے سامنے رکھ کر واضح فرمایا جائے۔ چنانچہ حکم ہوا: ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ؕ﴾ (الشوریٰ:۱۳) ''کہ دین قائم کرو اور اس کے بارے میں تفرقہ میں نہ پڑو''۔ جس طرح کہ قرآنی حکم ہے: ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ ''نماز قائم کرو'' اسی طرح یہ بھی قرآنی حکم ہے۔ لہٰذا اس بات میں کوئی ابہام نہیں رہا کہ آنحضور ﷺ کا مشن جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے پورا کروایا یہی تھا کہ اسلام کو بحیثیت دین دُنیا میں غالب فرمادے تاکہ وہ نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں پر نافذ ہو۔ اسی سورۃ الشوریٰ میں آگے جا کر فرمایا: ﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ﴾ (آیت ۱۵) ''پس (اے نبی ﷺ!) آپ اسی کی دعوت دیتے رہیے اور جمے رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور ان لوگوں کی خواہشات کو کوئی اہمیت نہ دیجیے''۔ آگے جا کر نبی اکرم ﷺ کی زبان سے کہلوایا گیا: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ﴾ ''مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل قائم کروں''۔ یعنی یہ کہ میں صرف واعظ اور مبلغ بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ میں ایک مشن کے ساتھ آیا ہوں کہ دین (اسلام) کو زندگی کی ہر جہت پر غالب اور نافذ کردوں اور انسانیت کے لیے ایک ایسا اجتماعی نظام برپا کردوں جو عدل وقسط پر مبنی ہو تاکہ اس اجتماعیت کی چھتری کے تحت انسان کے لیے عبادتِ ربّ آسان ہو جائے۔

نبی اکرم ﷺ نے تیرہ سال کی محنت شاقہ کے نتیجے میں وہ جمعیت تیار کی اور اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کی صورت میں آپؐ اور اہل ایمان کے لیے ایک ٹھکانہ (Base) فراہم فرمایا جہاں ہجرت کر کے آپؐ نے اس عظیم مشن کے لیے لائحہ عمل طے فرمایا۔ نتیجتاً دُنیا نے دیکھ لیا کہ کس طرح آپؐ اور آپ کے صحابہؓ نے اپنے منشور کو مختلف مراحل سے گزار کر منطقی انجام تک پہنچایا: ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾﴾ (بنی اسرائیل) ''حق آگیا اور باطل نابود ہو گیا۔ بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔''

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، آپ ﷺ نے ابتدا ہی سے اپنی دعوت کو پورے وضاحت کے

ساتھ بیان فرمایا اور اپنے مشن کی ازابتدا تا آخر مکمل نشان دہی فرمائی۔ قرآنی تعلیمات اور حضور ﷺ کی سیرت اس پر شاہد ہیں کہ اس مشن کے تین سنگ ہائے میل متعین کیے جا سکتے ہیں۔ یعنی یہ کہ بندہ خود اللہ کی بندگی اختیار کرے اور امکانی حد تک بندگی کے تقاضے پورے کرنے کے لیے دل وجان سے، پورے خلوص وللّٰہیت کے ساتھ کوشش کرے اور ہمہ وقت، ہمہ جہت بندگی ٔربّ کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش جاری رکھے۔ اس بندگی ٔرب یا عبادتِ ربّ ہی کا تقاضا ہے کہ اس خیر کی طرف دوسرے انسانوں کو بھی بلایا جائے اور اس کی دعوت دی جائے کہ یہ جو نعمت ملی ہے اسے دوسروں تک پہنچایا جائے۔ حضور ﷺ نے انسانوں کو اسی خیر کی طرف بلایا۔ آپؐ اور آپ کے صحابہؓ نے اسی کلمہ حق کی طرف دعوت دی اور جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول کیا حضور ﷺ نے بحیثیت ایک مربّی ومزکّی ان کی تربیت وتزکیہ کا اہتمام فرمایا اور آپ ﷺ نے ان کی معیت میں فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر مخلوقِ خدا کو تسلسل کے ساتھ یہ پیغام پہنچایا اور حقِ تبلیغ ادا فرمایا۔

چنانچہ سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی یہ جماعت حضور ﷺ کی اقتدا میں جب مدینہ منتقل ہوگئی تو وہاں سے اب تیسرا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے، یعنی تبلیغ ودعوت کی آخری منزل کی طرف بالفعل پیش قدمی شروع ہوگئی اور وہ یہ کہ قرآنی ہدایات کی روشنی میں اللہ کے دین کے غلبہ اور اسے اجتماعی زندگی پر بالادست بنانے کے لیے جدوجہد کی گئی۔ حضور ﷺ نے اس ضمن میں جو اقدامات فرمائے وہ تاریخ کے صفحات پر مستقل طور پر ثبت ہیں۔ یعنی دین کی بالادستی یا قرآنی الفاظ میں اظہارِ دین الحق کے لیے آپ ﷺ نے صحابہؓ کی معیت میں جنگیں بھی لڑیں، امن اور صلح کے معاہدے بھی کیے، سفارت کاری بھی کی، پیغامات اور مکتوبات بھی بھجوائے، چیلنج بھی دیے، معرکہ آرائی بھی کی، تعلیمی وتربیتی وفود بھی بھیجے، مبلغ بھی روانہ کیے اور لشکر بھی ترتیب دیے۔ یعنی سیرتِ نبویؐ ہماری اس طرف رہنمائی کرتی ہے کہ دین اسلام کی ہمہ گیر تبلیغ کا مکمل تصور یہ ہے کہ اُمت مسلمہ حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی کُل تعلیمات کو بحیثیت ایک کُل (package) اپنانے اور دین اسلام کے مکمل تصور اور لائحہ عمل یعنی عبادت رب، شہادت علی الناس اور اقامت دین تینوں جہات کو نہ صرف علمی طور پر سمجھے اور جانے بلکہ عملی طور پر ان تینوں مراحل پر بیک وقت کام کرنے کے لیے جدوجہد بھی کرے۔ سیرتِ نبویؐ کا مطالعہ اگر نبی اکرم ﷺ کی تبلیغ دین اور جدوجہد کے حوالے سے کیا جائے تو ہم پر یہ حقیقت بالکل روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ محمدیؐ تبلیغ کا تقاضا یہ ہے کہ ہماری تبلیغ کا ہدف بھی انسانوں کو ﴿اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ (البقرہ:۲۰۸) کی دعوت ہو۔ یعنی عبادتِ ربّ، شہادت علی

الناس اور اقامتِ دین کی جِدّوجُہد' تاکہ دین کا تصور جزوی نہ رہے بلکہ کُل کا کُل رہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں سے جزوی نہیں بلکہ پورے پورے دین کا تقاضا کرتا ہے' اس لیے منطقی طور پر تبلیغ بھی پورے دین کی ہونی چاہیے نہ کہ جزوی۔

اسوۂ رسولؐ اور سیرتِ صحابہؓ سے ہمیں یہ سبق بالکل واضح اور غیر مبہم طور پر ملتا ہے کہ ان تینوں مراحل یعنی عبادتِ ربّ' شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کے فریضہ کی جدوجہد میں اس برگزیدہ جماعت کا آلہ دعوت وانقلاب آیاتِ قرآنی ہی تھیں۔ قرآن ہی کے ذریعے انذار وتبشیر' تزکیہ وتربیت' دعوت وتبلیغ' درس وتدریس' تعلّم وتعلیم' تبیین وتشریح' غرض یہ کہ ہر ایک ہدف کے لیے قرآن ہی کو ذریعہ بنایا گیا۔ چنانچہ قرآن خود ہی گواہی دیتا ہے کہ غلبہ واظہارِ دین کے لیے جہاں رسول اللہ ﷺ کی امتیازی شان یہ بیان کی گئی ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ (التوبہ:۳۳' الفتح: ۲۸ الصف:۹) وہاں چار مقامات پر الفاظ اور ترتیب کی معمولی تبدیلی کے ساتھ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ حضور ﷺ کا ذریعۂ انقلاب قرآنی آیات کی تلاوت' اسی کی تعلیم اور اسی کے ذریعے تزکیہ تھا۔ (البقرۃ:۱۲۹ و ۱۵۱' آل عمران:۱۶۴ اور الجمعۃ:۳)

سیرتِ نبویؐ اور سیرتِ صحابہؓ سے ایک اور اہم منزل کی جو نشاندہی ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہجرتِ مدینہ کے بعد ابتدائی چھ مہینوں کے دوران تین اہم کاموں (یعنی مسجد نبویؐ کی تعمیر' مواخاۃ اور قبائل کے ساتھ معاہدے) کی تکمیل کے بعد دیر لگائے بغیر آپؐ نے وہ تمام اقدامات بروئے کار لائے جو آپؐ نے اقامت اور غلبہ دین کے حصول کے لیے مناسب خیال فرمائے۔ چنانچہ سیرت النبیؐ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ غزوۂ بدر سے پہلے جنگ یا حقائق اور معلومات اکٹھی کرنے (Fact finding & information gathering mission) کے لیے آٹھ مہمات ہیں جو آپؐ نے مختلف اطراف واکناف میں روانہ فرمائی ہیں۔

اس کے بعد جنگوں کا سلسلہ تو سیرۃ النبیؐ کا ایک روشن باب ہے۔ اور ایک بات جو مغربی بالادستی یا اپنی کمزوریوں اور مصلحتوں کی وجہ سے تاریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے کفار کے ساتھ صرف مدافعتی لڑائیاں لڑی ہیں اور کوئی اقدامی جنگ نہیں کی۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے اور وہ یہ ہے کہ جب مدینہ میں اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اور مدینہ کے یہودیوں اور مکہ کے مشرکین کی سازشیں ناکام ہوئیں تو اب اللہ کی زمین پر اللہ کی فوج (حزب اللہ) کے ہوتے ہوئے باطل کو مزید سر اٹھا کر چلنے دینا

اسلام کی روح اور دینی حمیت کے بالکل خلاف بات تھی' اس لیے زمین کو باطل سے پاک کر کے حق قائم کرنے کے لیے حضور ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کو تلوار اُٹھانا پڑی۔ لہٰذا یہ تمام لڑائیاں مدافعتی نہیں تھیں' بلکہ ان میں اکثر وبیشتر اقدامی جنگیں تھیں جو حضور ﷺ کے زمانہ میں اور آپؐ کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں لڑی گئیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اللہ ہی کے حکم سے باطل کو مزید رہنے کا موقع نہ دینے کا عزم کیا' اور چونکہ یہ زمین اللہ کی ہے اس لیے اس پر باطل کا نظام برداشت نہیں کیا جاسکتا تھا اور اس کا قلع قمع کرنا ہی دین کا تقاضا تھا۔ (یہ مضمون سورۃ الحدید' آیت ۲۵ میں بتمام وکمال بیان ہوا ہے۔)

تاریخ اس پر گواہ ہے کہ جب بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے تفویض شدہ مشن پر نکلے ہیں تو دوسرے ملکوں میں جا کر انہوں نے جو پہلا اعلان کیا وہ یہ تھا کہ ''ہم اللہ کے نبی ﷺ کے نمائندے ہیں' یہ زمین اللہ کی ہے' اس پر حکومت بھی اللہ ہی کی ہوگی' باطل کی نہیں۔ اگر تو تم لوگ ایمان لاؤ گے تو ہمارے برابر ہو جاؤ گے' نہیں تو یہاں قانون (Law of the land) اللہ کا بالادست ہوگا۔ تم اپنے اپنے مذہب پر رہنا چاہو تو رہو' ہم تمہیں بزور مسلمان نہیں بناتے (لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ) تاہم زمین پر خدائی قانون نافذ ہوگا اور تمہیں چھوٹے بن کر ہمیں جزیہ دینا ہوگا۔ یہ بھی منظور نہ ہو تو پھر یا تو تمہیں ملک چھوڑ کر جانا ہوگا یا ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ تلوار سے ہوگا''—— یہ تاریخی حقائق ہیں جنہیں جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ جب ان ملکوں پر اسلام کا غلبہ ہوا اور اسلام کا عادلانہ نظامِ اجتماعی قائم ہوا اور اس کے ثمرات عدل وقسط اور مساوات کی صورت میں ظاہر ہو گئے تو پھر وہی غیر مسلم خود بخود اسلام کی طرف راغب ہوتے چلے گئے اور جوق در جوق اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ اور اس طرح چند ہی برس میں معلوم دُنیا کا بہت بڑا حصہ اسلام کے زیرنگین آیا۔ خلفائے راشدینؓ کے عہدِ زرین کا یہ کارنامہ تاریخِ انسانی کا ایک بے مثال شاہکار ہے۔

اب بھی اگر مسلمان بحیثیتِ امت تبلیغ کا اصل حق ادا کرنے کا تہیہ کر لیتے ہیں تو ان کو اسی منہاج پر یعنی حضور ﷺ اور صحابہؓ کے تعامل کو اپنا کر اس پر قدم بہ قدم چل کر پہلے اللہ کی دھرتی پر کسی ایک ملک میں اسلام کو کلی طور پر نافذ کرنا ہوگا۔ اس طرح جو خلافت وجود میں آئے گی اور اس کی جو شکل بنے گی وہ اسلام کی توسیع کے لیے اقدامات کرے گی۔ لہٰذا ہماری تبلیغی کاوشوں کا ہدف ایک اسلامی خلافت برپا کرنا ہونا چاہیے۔ اس طرح تبلیغ کا اصل منشا تب پورا ہوگا جب

ہم اس کام کو نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے اخذ کردہ منہاج (Methodology) کے مطابق انجام دیں اور یہ کہ دین کا تصور کُلّی طور پر ہمارے سامنے ہو نہ کہ جزوی طور پر۔

اس دور میں یہ کام اس طرح ہوسکتا ہے کہ دعوت وتبلیغ محض امر بالمعروف کے ساتھ نہ ہو بلکہ فریضہ نہی عن المنکر کو بھی ضرور ادا کیا جائے۔ صرف معروفات کی بات کرنا اور منکرات سے صرفِ نظر کرنا دین کی رو سے معیاری کام نہیں گنا جاسکتا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ قرآن حکیم کی آیات کو ذریعہ دعوت وتبلیغ بنایا جائے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ مدعوئین پر یہ بات واضح کی جائے اور بلا کسی مصلحت بتایا جائے کہ تبلیغ جو کارِ رسالت ہے اس میں تینوں ابعاد (dimensions) یعنی عبادتِ ربّ، شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کی جدوجہد شامل ہے۔ اگر آپ منکرات کے خلاف کام کرنا چاہیں تو آپ کی راہ میں اتنی مشکلات وموانعات حائل ہوجائیں گی جن کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر سورۃ العصر میں بیان شدہ حقائق عملی طور پر سامنے آجائیں گے اور تواصی بالحق کے ساتھ تواصی بالصبر کا عملی تجربہ ہونا شروع ہوجائے گا جو یقیناً ایک مشکل اور صبر آزما امر ہے۔

نہی عن المنکر کے ضمن میں آج مخصوص حالات کے پیش نظر یہ بات جاننا بہت اہم ہے کہ منکرات کو ''بالید'' یعنی طاقت کے ساتھ منع کرنا دراصل حکومت یعنی خلافت کا فرضِ منصبی ہے۔ عوام الناس کو یہ کام باللسان کرنا ہے، یعنی منکرات کے خلاف بات کرنا، لکھنا اور لوگوں کو سمجھانا ہے، کیونکہ طاقت اور ''سلطان'' حکومت وقت کو حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کا فرض یہ بن جاتا ہے کہ وہ پہلے اپنے ملک میں خلافت کا قیام عمل میں لائے۔ اگر عوام خود منکرات کے خلاف طاقت استعمال کرنا شروع کریں تو اس سے خیر کی بجائے فساد برآمد ہوگا جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں۔ اسلام کسی کو بھی اس بہانے اسلحہ اُٹھانے کی اجازت نہیں دیتا، البتہ یہ تبلیغ دین کا اہم ترین حصہ ہونا چاہیے کہ منکرات کے خلاف دلیل کے ساتھ بات بھی کی جائے اور مسلمان ملک میں حقیقی خلافت کو برپا کرنے کے لیے پُرامن جدوجہد بھی کی جائے، تب جا کر تبلیغ دین کا حق پورے طور پر ادا ہوسکے گا۔ یہ بات بہت بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ ہر ذمہ دار مسلمان کو اپنے دائرہ کار اور نزدیک ترین ماحول میں منکرات کے خلاف جدوجہد کر کے لوگوں کو منع کرنے کے لیے باللسان یہ کام کرنا چاہیے۔ اگر ہم منکرات کے خلاف جہاد میں مشغول ہوں تو ہر آدمی اپنے نزدیکی ماحول ہی میں یہ فریضہ بخوبی سرانجام دے سکے گا اور اسے باہر جا کر قریہ قریہ گھومنے کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔ وہ کام بہرحال اسلامی خلافت کا ہے، وہ باہر فوج بھیجنا چاہے، مبلّغ اور مزکّی بھیجنا چاہے یا معلّم اور مدرّس، یہ کام اسی کا ہے۔ ۞ ۞ ۞

صدقۂ فطر: فضائل ومسائل

حافظ محمد زاہد ☆

رمضان المبارک بڑی ہی برکتوں' سعادتوں اور نعمتوں والا مہینہ ہے۔اس ماہ کے بہت فضائل ہیں جن کی بنا پر اس کو باقی گیارہ مہینوں پر فوقیت و برتری حاصل ہے۔اس ماہ میں ایک رات ایسی ہے جس میں عبادت کرنا ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔اس ماہِ مبارک میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستّر فرضوں کے برابر ہو جاتا ہے۔

جس طرح رمضان کی برکتیں اور سعادتیں بہت زیادہ ہیں' اسی طرح اس کے آداب بھی بہت ہیں' اور ہوسکتا ہے کہ اس کے آداب میں ہم سے کوئی کمی رہ گئی ہو یا روزے کے آداب کو مکمل طور پر ہم ادا نہ کرسکیں ہوں تو اس کمی کو پورا کرنے کے لیے صدقۂ فطر کو ہر مسلمان پر لازم کیا گیا ہے۔ذیل میں صدقۂ فطر کے فضائل ومسائل کو فرداً فرداً (مختصر طور پر) بیان کیا جاتا ہے۔

صدقۂ فطر کی تعریف

صدقہ کے معنی عطیہ کے ہیں' لیکن یہاں اس سے مراد وہ عطیہ ہے جو تقربِ الٰہی کی اُمید پر دیا جائے اور فطر' فطرت سے ماخوذ ہے جس کے معنی نفس اور خلقت کے ہیں۔اس طرح صدقۂ فطر کا لغوی معنی ہوا: نفس کا عطیہ / بدن کی زکوٰۃ۔شریعت میں صدقۂ فطر کی تعریف یہ ہے: ''وہ صدقہ جو بطورِ عبادت اور صلہ کے از راہِ ترحّم (بطورِ ہمدردی) دیا جائے صدقۂ فطر کہلاتا ہے''۔احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدقۂ فطر کا وجوب' زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے کا ہے۔اور قرآن کریم کی آیت:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿١٤﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿١٥﴾﴾ (الاعلیٰ)

''تحقیق کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے اپنا تزکیہ کیا۔اور اپنے پروردگار کا نام لیا اور نماز قائم کی۔''

☆ ادارتی معاون' قرآن اکیڈمی' شعبہ مطبوعات' لاہور۔ 03214291904

کے بارے میں بہت سے مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت صدقہ فطر سے متعلق ہے اور اس میں تزکیہ سے مراد صدقہ فطر کی ادائیگی اور نماز سے مراد عید الفطر کی نماز ہے۔

صدقۂ فطر کی شرعی حیثیت

رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر کو ہر مسلمان پر لازم قرار دیا اور امام ابوحنیفہؒ کے مطابق صدقہ فطر واجب ہے۔(اس بارے میں فقہی اختلاف بھی نوٹ کرلیں کہ امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک صدقہ فطر زکوٰۃ کی طرح فرض اور امام مالکؒ کے نزدیک سنت مؤکّدہ ہے۔)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ (رواه البخاری و مسلم)

''رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں سے ہر غلام' آزاد' مذکر' مؤنث اور ہر چھوٹے بڑے پر کھجوروں یا جو کا ایک صاع لازم کیا۔اور یہ حکم دیا کہ لوگوں کے عید کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے اسے ادا کردیا جائے۔''

صدقۂ فطر کا مقصد

صدقہ فطر کو لازم کرنے کے دو مقاصد احادیث میں بیان ہوئے ہیں: (۱) رمضان کے اعمال کی کمی کوتاہی کو پورا کرنے کے لیے' جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ نفل عبادات' فرض عبادات کی کمی کوتاہی کو قیامت کے دن پورا کریں گی۔(۲) معاشرے میں موجود غریبوں اور مسکینوں کے لیے عید کے دن کھانے پینے کا انتظام کرنے کے لیے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ ، مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُوْلَةٌ وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ (رواه ابو داؤد)

''رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر کو لازم فرمایا' جو روزہ داروں کی لغویات اور بیہودہ باتوں سے پاکی اور مسکینوں کی پرورش کے لیے ہے۔اور جس نے اسے (عید کی) نماز سے قبل ادا کیا تو یہ پسندیدہ زکوٰۃ ہے اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو یہ عام صدقات کی طرح ایک صدقہ ہے۔''

وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ صدقہ فطر کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''رمضان المبارک کے لیے فطرانہ ایسے ہی ہے جیسے نماز کے لیے سجدۂ سہو ہے۔ جس طرح سجدہ سہو نماز کی کمی پورا کرتا ہے اسی طرح فطرانہ بھی روزے کی کمی وکوتاہی پورا کرتا ہے۔''

صدقۂ فطر کس پر واجب ہے

ہر وہ شخص جو صاحبِ نصاب ہو' یعنی اس کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کے برابر نقدی ہو تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ گویا اس کا نصاب بھی وہی ہے جو زکوٰۃ والا ہے' بس ان دونوں کے نصاب میں فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ میں حولانِ حول (مال پر ایک سال گزر جانا) شرط ہے' جبکہ صدقہ فطر میں ایسی کوئی شرط نہیں۔ جبکہ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ جس کے پاس شوال کے مہینے کے شروع میں ایک دن کی اپنی' اپنے اہل وعیال اور صدقۂ فطر ادا کرنے کی خوراک موجود ہو تو اس پر صدقۂ فطر لازم ہے۔

صدقۂ فطر کے بارے میں چند اصولی مسائل

☆ جو بچہ یکم شوال کی صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے پیدا ہوا اس کا صدقۂ فطر واجب ہے' اور اگر صبح صادق کے بعد پیدا ہوا تو اس کا صدقہ فطر واجب نہیں ہے۔

☆ جو شخص عید کی رات صبح صادق سے پہلے مر گیا اس کا صدقۂ فطر واجب نہیں ہے اور جو صبح صادق کے بعد مرا تو اس کا صدقۂ فطر واجب ہے۔

☆ جن لوگوں نے بیماری' سفر' کسی اور عذر یا غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے رمضان کے روزے نہیں رکھے' اگر وہ صاحبِ نصاب ہیں تو اُن پر بھی صدقہ فطر واجب ہے۔

☆ صدقہ فطر کسی مسجد کو نہیں دیا جا سکتا۔

صدقہ فطر کی مقدار اور قیمت کا چارٹ

صدقہ فطر کی مقدار کے حوالے سے یہ نوٹ کر لیں کہ گندم کا آدھا صاع جبکہ جو' کھجور' کشمش اور پنیر کا ایک صاع دینا واجب ہے (جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک گندم سمیت ہر جنس کا ایک صاع دینا واجب ہے)۔ کوشش یہی کرنی چاہیے کہ انسان جو چیز زیادہ استعمال کرتا ہے اور جس معیار کی استعمال کرتا ہے' وہی چیز یا اس کی قیمت صدقۂ فطر کے طور پر ادا کرے۔ ایک صاع آج کل کے وزن کے مطابق تقریباً ساڑھے تین کلو کے برابر ہے (جبکہ ائمہ ثلاثہ کے

نزدیک ایک صاع اڑھائی کلو کے برابر ہے)۔ اس حوالے سے دو احادیث ملاحظہ ہوں:

(۱) حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ مُنَادِيًا فِي فِجَاجِ مَكَّةَ : أَلَا إِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ، مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ أَوْ سِوَاهُ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ (رواه الترمذی)

''نبی کریم ﷺ نے مکہ کی گلیوں میں ایک منادی کو اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ صدقۂ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' آزاد ہو یا غلام' چھوٹا ہو یا بڑا' دو مد (نصف صاع) گیہوں میں سے اور اس کے سوا دوسری کھانے کی چیزوں میں سے ایک صاع۔''

(۲) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كُنَّا نُخْرِجُ زَكَاةَ الْفِطْرِ إِذْ كَانَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيبٍ أَوْ صَاعًا مِنْ أَقِطٍ

(رواه البخاری ومسلم)

''جب رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے (یعنی بقیدِ حیات تھے) تو ہم صدقۂ فطر کے طور پر ایک صاع غلہ' یا ایک صاع کھجور' یا ایک صاع جو' یا ایک صاع کشمش' یا ایک صاع پنیر دیا کرتے تھے۔''

چونکہ ائمہ کرام میں صدقۂ فطر کی مقدار اور پھر صاع کے وزن میں بھی اختلاف ہے اس لیے ذیل میں احناف اور ائمہ ثلاثہ کے مطابق صدقۂ فطر کا چارٹ دیا جا رہا ہے:

احناف کے نزدیک صدقۂ فطر کا چارٹ

درجہ	جنس	وزن	قیمت	صدقہ فطر
پہلا	پنیر	ساڑھے 3 کلو	850	2975
دوسرا	کشمش	ساڑھے 3 کلو	350	1225
تیسرا	کھجور	ساڑھے 3 کلو	200	700
چوتھا	چاول	ساڑھے 3 کلو	120	420
پانچواں	جو	ساڑھے 3 کلو	68	240
چھٹا	گندم	2 کلو (محتاط اندازہ)	50	100

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صدقہ فطر کا چارٹ

درجہ	جنس	وزن	قیمت	صدقہ فطر
پہلا	پنیر	اڑھائی کلو	850	2125
دوسرا	کشمش	اڑھائی کلو	350	875
تیسرا	کھجور	اڑھائی کلو	200	500
چوتھا	چاول	اڑھائی کلو	120	300
پانچواں	جو	اڑھائی کلو	68	170
چھٹا	گندم	اڑھائی کلو	50	125

صدقہ فطر کے چارٹ کے حوالے سے چند چیزیں نوٹ کرلیں: (۱) اشیاء کے مختلف معیارات ہوتے ہیں' مثلاً کھجور ۱۰۰ روپے کلو بھی ہے اور ۳۰۰ روپے کلو بھی۔ جو شخص جس معیار کی کھجور عموماً استعمال کرتا ہے وہ اسی کی قیمت کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کرے گا۔ ہم نے اس چارٹ میں درمیانی درجہ کی قیمت کا حساب لگایا ہے۔ (۲) جس طرح قربانی کے وقت انسان اچھے سے اچھا جانور خریدتا ہے اسی طرح اس موقع پر بھی اسے اعلیٰ چیز صدقۂ فطر کے طور پر ادا کرنی چاہیے۔ (۳) یہ قیمت جولائی ۲۰۱۴ء/رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ کے حساب سے ہے۔ ہر سال قیمت کی کمی زیادتی کی وجہ سے صدقہ فطر میں فرق آئے گا۔ لیکن جنس کا وزن وہی رہے گا اور اسی کے حساب سے ہر سال صدقہ فطر کا حساب لگایا جاسکے گا۔

صدقہ فطر ادا کرنے کا وقت

جس طرح ہر عمل کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے اسی طرح صدقۂ فطر کو ادا کرنے کا بھی ایک وقت مقرر ہے۔ صدقۂ فطر کی مشروعیت کا وقت عید کے دن صبح صادق کے طلوع ہونے سے شروع ہوتا ہے اور اس کو ادا کرنے کا مستحب وقت عید الفطر کی نماز ادا کرنے سے پہلے پہلے ہے۔ اگر عید کی نماز سے پہلے ادا نہیں کیا جاتا تو پھر اس کی حیثیت عام صدقات کی ہو جائے گی' لیکن جب تک انسان اس کو ادا نہیں کرے گا یہ اس کے ذمے واجب الادا رہے گا' چاہے جتنا مرضی عرصہ گزر جائے۔ ماقبل صدقۂ فطر کی شرعی حیثیت اور صدقہ فطر کے مقصد کے ذیل میں بیان کی گئی احادیث اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ اس حوالے سے یہ بھی یاد رہے کہ صدقۂ فطر کو عید سے چند روز قبل بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ غریب حضرات بھی عید کی تیاری عید

سے پہلے کرسکیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ وہ عید سے ایک یا دو روز قبل فطرانہ ادا کردیا کرتے تھے۔

صدقہ فطر کے مصارف اور اس کی برکات

جمہور علماء کرام کے نزدیک صدقہ فطر کے وہی مصارف ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں' جبکہ بعض علماء کا قول یہ ہے کہ صدقہ فطر فقراء اور مساکین کے ساتھ خاص ہے اور بہتر بھی یہی ہے کہ کسی غریب مسکین کو ہی دیا جائے تاکہ وہ بھی عید کی خوشی میں شامل ہوسکیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ صدقہ فطر کو اسی علاقے اور شہر میں تقسیم کیا جائے جہاں انسان خود رہائش پذیر ہے' البتہ اگر کوئی مستحق رشتہ دار کسی دوسرے شہر میں ہو تو صدقۂ فطر اسے بھی دیا جاسکتا ہے۔

صدقہ فطر ایک مالی عبادت ہے اور اس کی بہت برکات ہیں۔ ایک روایت میں اسے لوگوں کی پاکی اور مال میں برکت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن صعیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَدُّوْا صَاعًا مِنْ قَمْحٍ اَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ عَنْ كُلِّ اثْنَيْنِ صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ اَوْ اُنْثٰى حُرٍّ اَوْ مَمْلُوْكٍ غَنِيٍّ اَوْ فَقِيْرٍ اَمَّا غَنِيُّكُمْ فَيُزَكِّيْهِ اللّٰهُ وَاَمَّا فَقِيْرُكُمْ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ اَكْثَرُ مِمَّا يُعْطِيْ)) (رواہ احمد)

''گندم کا ایک صاع یا کھجور کا ایک صاع (صدقہ فطر کے طور پر ادا کرنا) تم میں سے ہر چھوٹے' بڑے' غلام آزاد' مذکر مؤنث اور ہر امیر' غریب پر لازم ہے۔ امیر کو اللہ تعالیٰ (اس کے ذریعے) پاک کردیتا ہے اور فقیر جتنا دیتا ہے اس سے زیادہ اس کی طرف واپس لوٹا دیا جاتا ہے۔''

صدقہ فطر: بارگاہِ الٰہی میں اِک التجا

صدقہ فطر از خود عبادت بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک درخواست والتجا کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ صدقہ فطر اپنے ادا کرنے والے شخص کے بارے میں دعا کرتا ہے:

''اے اللہ! اگر اس کے صیام وقیام اور ماہِ رمضان کی دوسری عبادتوں میں کوئی کمی یا کوتاہی ہوگئی ہے تو میری وجہ سے اس سے درگزر فرما اور اس کی ماہِ رمضان کی تمام عبادات کو قبولیت کا درجہ فرما کر اس کے حق میں ماہِ صیام اور قرآن کی شفاعت کو قبول فرما۔'' آمین یارب العالمین!

کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!

تاریخ سقوطِ خلافت اور ترکی میں احیاءِ اسلام کی کوششیں

فرید بن مسعود☆

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ حُذَيْفَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

((تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ، فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا فَيَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ)) ثُمَّ سَكَتَ (مسند احمد، سلسلة الاحاديث الصحيحة للالبانی)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دَورِ نبوت تم میں اُس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا' پھر جب وہ اس کو ختم کرنا چاہے گا اس کو ختم کردے گا۔ پھر نبوت کی طرز پر خلافت کا دَور ہوگا' پھر وہ دَور رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا' پھر وہ اس کو ختم کردے گا جب وہ اس کو ختم کرنا چاہے گا۔ پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہوگی۔ وہ دور بھی اُس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا' پھر جب وہ اس کو ختم کرنا چاہے گا تو ختم کردے گا۔ پھر جبر کی فرماں روائی ہوگی' وہ رہے گی جب تک اللہ چاہے گا' پھر وہ اس کو ختم کردے گا جب وہ اسے ختم کرنا چاہے گا۔ پھر نبوت کے طرز پر دوبارہ خلافت قائم ہوگی''۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہوگئے۔

اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی کے ۶۳ قیمتی سال دنیا میں گزار کر رحلت فرما گئے۔ آپ ﷺ کے بعد اس نظام کو دوام دیتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلافت

☆متعلم' قرآن فہمی کورس سال دوم' قرآن اکیڈمی یاسین آباد' کراچی۔

علی منہاج النبوۃ قائم فرمائی' جو انہی کی زیر قیادت ۳۰ برس تک قائم رہی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ نظام تبدیل ہوگیا اور اس کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔ مگر اسلامی نظام اس وقت بھی اپنی وسعتوں کے ساتھ بقیہ منازل میں قائم رہا۔ علمیت' سیاست' قانون' معاشرت' نظامِ تعلیم' الغرض ہر سطح پر اسلام کا غلبہ تھا۔ اس ادارے کو بھی خلافت کا نام دیا جاتا رہا' جس نے اُمتِ مسلمہ کی قیادت کی ذمہ داری سنبھالی۔ سب سے پہلی حکومت بنواُمیہ نے قائم کی جو کہ ۹۲ سال تک قائم رہی۔ اس کے بعد بنوعباس کا دور آیا اور انہوں نے ۵۰۰ سال سے زائد اُمت پر حکمرانی کی۔ عباسی حکومت کے دورِ انحطاط میں جہاں عیش وعشرت اور اندرونی خانہ جنگیوں نے مملکت کو کمزور کیا وہیں خودمختار ہونے والی ریاستیں بھی عباسی حکومت کے اثر کو زائل کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ یورشِ تاتار نے اس تباہی کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔

یہاں سے قرآن حکیم کی آیت میں استعمال ہونے والے لفظ ﴿وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ﴾ (الجمعۃ:۳) کی تعبیر پوری ہوتی نظر آتی ہے۔ اسلام کی دعوت وتبلیغ کے نتیجے میں تاتاری قبائل ایمان لائے اور ترک بادشاہ ارطغرل کے بیٹے سلطان عثمان خان نے اس عظیم دولتِ عثمانیہ کی بنیاد رکھی جس نے آگے جاکر مسندِ خلافت سنبھالی۔ ۱۵۱۸ء میں آخری عباسی خلیفہ متوکل علی اللہ نے سلطان سلیم اوّل کے ہاتھ پر بیعت کرکے ادارۂ خلافت عثمانیوں کے ہاں منتقل کردیا۔ اس خلافت کا دورِ عروج سلطان سلیم اوّل کا دور تھا کہ جب خلافت کا پرچم تین براعظموں اور تین بحراعظموں پر لہرا رہا تھا۔ مگر یہیں سے اس سلطنت کا زوال شروع ہوتا ہے۔ ۱۶۸۳ء میں ویانا میں شکست ہوئی۔ اگلے چند سالوں میں پولینڈ' ہنگری اور ٹرانسلوانیہ (Transylvania) بھی ہاتھ سے نکل گیا' یہاں تک کہ ۱۷۶۸ء میں روس سے بھی شکست ہوئی۔

اس تمام عرصے میں سلطنت میں عیسائیوں کا اثر ورسوخ بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ کئی امراء وباج گزار بھی الگ ہوتے چلے گئے۔ معیشت بھی بہت کمزور ہوگئی تھی۔ عوام کو مطمئن کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً اصلاحات سے کام لیا گیا۔ ان اصلاحات کے پس پردہ مغربی تہذیب نے بھی ترکی میں جگہ بنالی۔ یورپی طرزِ تعمیر کی عمارتیں قائم ہونے لگیں' نظامِ پارلیمنٹ قائم ہوا' دستور بنایا گیا' سفارت خانے بنائے گئے' یونیورسٹی بنائی گئی وغیرہ۔ اس کی ایک وجہ یورپی تعلیم یافتہ نوجوان تھے جنہوں نے مغربی نظام سے مرعوب ہوکر ایک خفیہ تنظیم ۱۸۶۰ء میں قائم کی' جس کا نام "Young Turks" تھا۔ اسی تنظیم نے سلطان مراد کے ذریعے اپنی من پسند اصلاحات

کروائیں۔ مگر کچھ عرصے بعد جب سلطان عبدالحمید ثانی آئے تو انہوں نے اس تنظیم کے خلاف اقدامات کیے۔ انتقاماً اس تنظیم نے اس خلیفہ کو معزول کروادیا اور اس کی جگہ خلیفہ رشاد کو بٹھادیا۔

اسی دور میں دولتِ عثمانیہ کو روس اور یونان سے جنگوں میں شکست ہوئی۔ اٹلی نے ۱۹۱۱ء میں طرابلس پر حملہ کردیا اور اس کے ملحق علاقے مثلاً جزیرہ روھڈس (Rhodes) پر بھی قبضہ کرلیا۔ اسی طرح روس کی شہ پر سرویا (Servia)، البانیہ، یونان، بلغاریہ اور مانٹی نیگرو نے خلیفہ کے خلاف اتحاد کرکے جنگ بلقان چھیڑ دی اور دو سال کے قلیل عرصے میں یہ تمام علاقے بھی سلطنت سے باہر ہوگئے۔ ۱۹۱۴ء میں جب جنگ عظیم چھڑی تو ترکی نے اتحادی ممالک (برطانیہ، فرانس، روس وغیرہ) کے خلاف جرمنی سے اتحاد کرلیا۔ اس اتحاد کا ترکی کو یہ نقصان بھگتنا پڑا کہ قبرص، مصر، آرمینیا، تفلس، ترابزون، ارضِ روم وغیرہ پر بھی اتحادیوں کا قبضہ ہوگیا۔ ۱۹۱۷ء میں حجاز اور عرب کا علاقہ بھی سلطنت سے الگ ہوگیا۔

ایک اہم معرکہ ۱۹۱۵ء میں درۂ دانیال اور چناق قلعے میں پیش آیا۔ اس مقام پر مصطفیٰ کمال پاشا تعینات تھا۔ اس معرکے میں اتحادیوں کو بہت ہزیمت اٹھانی پڑی۔ ایسے میں مصطفیٰ کمال پاشا کی فوجی صلاحیت کی دھاک پوری دنیا میں بیٹھ گئی۔

۱۹۲۰ء میں ترکی میں انتخابات ہوئے اور ان میں قوم پرستوں کو ایک واضح فتح ہوئی۔ مصطفیٰ کمال بھی رکن پارلیمنٹ بنا اور اسمبلی نے اسے صدر منتخب کیا اور نیا لادین (Secular) دستور تیار کیا۔ صدر بننے کے بعد مصطفیٰ کمال نے جنگوں اور مذاکرات کے بعد ترکی کے اپنے علاقے واگزار کروائے اور ''اتاترک'' کا لقب حاصل کیا۔ ۱۹۲۳ کو نئے جمہوریہ ترکیہ کا قیام عمل میں آیا۔

۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو مسند خلافت، جو کہ کبھی تین دن سے زیادہ خالی نہیں رہی تھی، اسے ہمیشہ کے لیے خالی کردیا گیا ؎

چاک کردی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ!

کمالی اصلاحات

(۱) آئین سے اسلام کی بحیثیت ریاستی مذہب، بے دخلی۔

(۲) شرعی عدالت، منصب شیخ الاسلام، مدارس اور اوقاف کے نظام کا خاتمہ۔

(۳) Masjid-free دارالحکومت، انقرہ کا قیام۔

(۴) شریعت منسوخ کرکے سوئٹزرلینڈ کا قانونِ دیوانی، اٹلی کا قانونِ فوجداری اور جرمنی کے قانونِ تجارت کا نفاذ۔

(۵) عربی رسم الخط ختم کرکے لاطینی رسم الخط کا اجراء اور عرب سے تعلق رکھنے والی ہر شے کو مٹانا۔

(۶) فیض (ترکی ٹوپی)، عمامہ، قلپاق، حجاب، سکارف، نقاب وغیرہ پر پابندی۔

(۷) خانقاہوں اور سلاسلِ تصوف پر پابندی۔

(۸) میلادی تقویم (شمسی کیلنڈر) کا اجراء اور جمعہ کے بجائے اتوار کی چھٹی۔

(۹) اذان، نماز، قرآن ترکی زبان میں پڑھنے کا حکم، وغیرہ۔

حکومت کے خلاف بغاوتیں

حکومت کے ان لادین اور غیر جمہوری اقدامات کے خلاف کئی مسلّح اور غیر مسلّح بغاوتیں رونما ہوئیں، جنہیں طاقت کے زور پر ختم کردیا گیا۔ مثلاً:

(۱) کُردوں کی ۱۹۲۵ء، ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۰ء کی بغاوتیں۔

(۲) ۱۹۲۶ء میں مصطفیٰ کمال کی رہائش گاہ کے باہر غیر مسلح اقدام۔

(۳) ۱۹۲۵ء میں نقشبندی رہنماؤں شیخ سائت، شیخ عبداللہ اور شیخ سعید کی بغاوتیں۔

اسلامی بیداری

۶۰۰ سالہ خلافت نے چونکہ عوام کے دل و دماغ میں اسلام کی محبت کو راسخ کردیا تھا، اسی لیے اتنے جبر کے باوجود ان کے سینوں میں اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کی شمع جلتی رہی۔ پھر جنگِ عظیم اور اس کے بعد کی غیر مسلموں سے جنگوں نے اس کی لَو کو مزید تیز کردیا۔ ؎

پوشیدہ تیری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تیری بادِ سحر میں

اس کے نتیجے میں ترکی میں کئی اسلامی تحریکوں نے جنم لیا، جن کا منبع و سرچشمہ شیخ بدیع الزماں سعید نورسیؒ کی ذات تھی۔

شیخ بدیع الزماں سعید نورسیؒ

شیخ بدیع الزماں سعید نورسیؒ کا تعلق تفلس کے ایک دینی اور علمی گھرانے سے تھا۔ ابتدا ہی سے علومِ دینیہ کی تحصیل میں مشغول رہے اور ۱۸ سال کی عمر میں ان کا شمار علماء میں ہونے لگا۔ ابتداءً Young Turks کی تحریکِ اصلاحات میں شامل تھے، مگر جلد ہی اس کی حقیقت جان

کران سے علیحدگی اختیار کرلی۔ اس کے مقابل آپ نے ایک ''انجمن اتحادِ محمدی ﷺ'' قائم کی جس کا مقصد وحدتِ اُمت' اصلاح اور تنفیذِ شریعت تھا۔ کئی مرتبہ گرفتار ہوئے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ جنگ عظیم کے دوران رضا کارانہ طور پر خلیفہ کی فوج میں خدمات انجام دیں۔ آپ دن میں محاذ پر ہوتے اور رات میں نوجوانوں کو دروسِ قرآن دیتے۔ دورانِ جنگ روس کی فوج نے قیدی بنا کر سائبیریا بھیج دیا۔ طویل عرصے قید کے بعد ترکی واپس آئے۔

اب ترکی کے حالات بدل چکے تھے' اسی لحاظ سے آپ نے حکمت عملی بھی تبدیل کی۔ آپ سیاست اور عملی جدوجہد کے میدان سے باہر آ کر ملت کی زبوں حالی کا علاج ''نورِ قرآنی'' سے کرنے لگے۔ یہ ایک منفرد انداز کی تفسیرِ قرآن یا تعبیرِ قرآن ہے جو رسالوں کی صورت میں ''رسائلِ نور'' کے نام سے معروف ہیں۔ اس کے ذریعے ترک قوم میں بیداری' عزتِ نفس اور دین داری کی روح پھونکی گئی اس کے ثمرات ایک عرصے بعد ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر گئے۔ اس دوران آپ کو کئی بار جھوٹے الزامات کے تحت جیل بھی بھیجا گیا' مگر آپ کی ہمت و استقلال میں کمی نہیں آئی اور آپ برابر اس کام میں مشغول رہے۔

آخری عمر میں جب اسلامی جماعتوں کا قیام عمل میں آیا تو آپ نے اپنے پیروکاروں کو ان کی حمایت کی تلقین کی۔ آپ نے اشتراکیت پر بہت تنقید کی اور آخری عمر تک اس کے خلاف صف آراء رہے۔ آپ ۲۷ رمضان ۱۹۶۰ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔

نجم الدین اربکان

شیخ نورسی نے ترک عوام میں اسلام بیداری کی جو روح پھونکی یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلامی دعوت کے علمبردار اس دعوت کو لے کر اٹھے اور تحریک اسلامی اور اسلامی نظام کا تصور پیش کیا۔ اسی جدوجہد کے لیے ملی نظام پارٹی کا قیام عمل میں آیا۔

نجم الدین اربکان بحر اسود کے ساحلی شہر Sinop میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا سلجوق کابینہ کے وزیر خزانہ اور آپ کے والد ایک شرعی عدالت کے جج تھے۔ آپ کی تعلیم کا آغاز انجینئرنگ سے ہوا' اور جب آپ نے انجینئرنگ کالج میں داخلہ کا امتحان دیا تو اتنے زیادہ نمبر حاصل کیے کہ آپ کو براہِ راست دوسرے سال میں داخلہ مل گیا۔ تعلیم کے بعد وہیں لیکچرار مقرر ہو گئے۔ ۱۹۵۱ء میں وہیں سے پہلا اور ۱۹۵۲ء میں جرمنی سے دوسرا پی ایچ ڈی کیا۔ ۱۹۶۷ء میں چیمبر آف کامرس کے سیکرٹری جنرل' اور اگلے ہی سال صدر منتخب ہو گئے۔ مگر لادین قوتوں

کی کوششوں سے آپ کو وہاں سے برطرف کر دیا گیا۔

ایسے میں آپ نے ملت کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ ۱۹۶۹ء میں آزادانہ انتخاب لڑ کر پارلیمنٹ پہنچے اور ہم خیال لوگوں کے ساتھ مل کر ''ملی نظام پارٹی'' (Milli Nizam Partisi) بنائی۔ اس کی رکنیت کی شرط یہ تھی کہ وہ شخص نماز کا پابند اور باکردار آدمی ہو۔ اس پارٹی کی اسلام پسند خیالات اور بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیش نظر اس پر ۱۷ ماہ بعد ہی پابندی لگا دی گئی۔ ۱۹۷۲ء میں ''ملی سلامت پارٹی'' (Millî Selâmet Partisi) کے نام سے ایک اور جماعت بنائی۔ اس جماعت کے اخبار ''ملت'' پر واضح الفاظ میں لکھا ہوتا: ''جب عدل قائم ہو گا تو کفر کا خاتمہ ہو جائے گا۔''

اس دفعہ الیکشن سے قبل اربکان پس پردہ رہے' اور بعد میں الیکشن لڑ کر پارلیمنٹ میں آ گئے۔ نائب صدر کی حیثیت سے آپ نے خارجہ پالیسی کو کافی حد تک تبدیل کیا۔ اسلامی کانفرنس کا بھی انعقاد کرایا۔ انسدادِ سود اور بے حیائی کے خلاف بھی بہت کام کیا۔ ۱۹۸۰ء میں اس الزام پر کہ آپ نے اسلام کے ذریعے سیکولر نظام کو چیلنج کیا ہے' حکومت کو گرا کر اور سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا کر' مارشل لاء لگا دیا گیا۔

اس کے بعد ''رفاہ پارٹی'' (Refah Partisi) کے نام سے ایک اور پارٹی بنالی گئی۔ مارشل لاء کے دوران عوام میں دعوت کے ذریعے مقبولیت حاصل کی۔ ۱۹۹۴ء کے بلدیاتی انتخابات میں اہم شہروں یعنی استنبول' انقرہ' قونیہ' ارضِ روم' دیاربکر وغیرہ میں کامیابیاں حاصل کیں۔ ۱۹۹۵ء میں عام انتخابات میں کامیابی حاصل کی اور ۱۹۹۶ء میں اربکان نے وزیراعظم کا حلف اٹھایا۔

اصلاحات واقدامات

انفرادی سطح پر جہاں اسکارف کی آزادی دی اور مدارس کے ساتھ تعاون کیا' وہیں نئی مساجد کا قیام اور دینی رہنماؤں سے ملاقات کے ذریعے ایک تعاون کی فضا قائم کی۔ قبرص میں جاری جنگ میں مسلمانوں کی حمایت' سیکولر مخالف بیانات' صدر ضیاء الحق مرحوم کے اسلامی اقدامات کی تائید اور اسلامیات کی تعلیم کے لازمی کرنے ایسے اقدامات سے اندرونی طور پر لادین عناصر کے بیانات آئے اور امریکا نے بھی امداد بند کرنے کی دھمکی دی۔ جواب میں آپ نے امریکا کے فوجی اڈوں کے بند کرنے کی دھمکی دی۔ مسلم وزرائے خارجہ کی کانفرنس کا

انعقاد اور فتح استنبول کی یاد میں ''یومِ شوکت اسلام'' کا انعقاد بھی اہم ہیں۔

ان اقدامات کی وجہ سے لادین طبقے میں ہلچل ہوئی اور فوج اور اپوزیشن کے دباؤ پر جون ۱۹۹۷ء میں اربکان کو استعفا دینا پڑا۔ اس کے بعد بھی بار بار اربکان پر پابندی لگتی رہی' جس کے باوجود آپ اپنی جِدّوجُہد جاری رکھے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ کے کچھ ساتھیوں نے مل کر ایک نئی جماعت بنائی جس میں ترکی کے حالیہ وزیراعظم رجب طیب اردغان بھی شامل تھے۔

رجب طیب اردغان

رجب طیب اردغان استنبول کے قریبی علاقے قاسم پاشا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ''امام خطیب اسکول'' سے حاصل کی' جو دینی تعلیمی اداروں کے طور پر معروف ہیں' اور پھر مارمرا یونیورسٹی سے معاشیات کی ڈگری حاصل کی۔ یونیورسٹی کی تعلیم کے دوران ہی "Milli Turk Talebe Birligi" (انجمن ملی ترک طلبہ) میں شامل ہوگئے جو اسلام پسند اور اشتراکیت مخالف نظریات رکھتی تھی۔ ۱۹۷۴ء میں ایک ڈرامے کی تصنیف' ہدایت کاری اور پھر اداکاری بھی کی' جس کے ذریعے پیغام دیا گیا تھا کہ فری میسن' اشتراکیت اور صہیونیت شیطنت ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں رفاہ پارٹی میں شامل ہوئے اور ۱۹۹۱ء میں پارلیمنٹ کے لیے منتخب ہوئے۔ ۱۹۹۴ء میں استنبول کے میئر منتخب ہوئے۔

اس موقعے پر اردغان نے بہت اچھی حکمت عملی اپناتے ہوئے بہت سے مسائل میں گھرے ہوئے استنبول کو ایک طرف سیاسی' ڈرگ اور لینڈ مافیا سے آزاد کرایا تو دوسری جانب پانی کی قلت' آلودگی اور ٹریفک کا مسئلہ بھی حل کیا۔ استنبول ترکی کے آلودہ ترین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ اردگان نے ان چند سالوں میں انتھک محنت اور دل جمعی کے ساتھ استنبول کا حلیہ تبدیل کر دیا اور آج یہ دنیا کے خوبصورت ترین اور سیاحوں کے پسندیدہ ترین شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

جب رفاہ پارٹی پر پابندیاں لگیں تو آپ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ مظاہروں میں شامل رہے۔ ۱۹۹۹ء میں ایک جلسے میں ایک اسلامی نظم پڑھنے کے جرم میں آپ کو دس ماہ قید کی سزا سنائی گئی۔

۲۰۰۱ء میں جب اردغان نے "AkPartisi" بنائی تو اس کو ان کی استنبول میں مثالی کارکردگی کی بنا پر بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ ۲۰۰۲ء کے انتخابات میں "Ak Partisi" کو دوتہائی اکثریت سے کامیابی حاصل ہوئی اور اردغان ۲۰۰۳ء میں وزیراعظم منتخب ہوئے۔ اس

کے بعد لگاتار تین عام انتخابات میں کامیابی حاصل کرتے رہے اور وزیراعظم منتخب کیے گئے۔ مجموعی طور پر اردغان نے ۱۹ انتخابات لڑے (۳ عام انتخابات' ۳ بلدیاتی انتخابات' ایک ضمنی انتخاب اور ۲ ریفرینڈم) اور ان تمام میں کامیابی حاصل کی۔

اصلاحات واقدامات

اردغان کے معاشی کارناموں کی فہرست طویل ہے' جن میں نمایاں: کرنسی کی قدر میں حیرت انگیز اضافہ' شرح سود میں کمی' مہنگائی پر قابو' GDP میں ریکارڈ بڑھوتری' تعلیمی بجٹ میں چھ گنا اضافہ' انفرااسٹرکچر (ہائی ویز' زیرزمین راستے' زیرسمندر سرنگیں وغیرہ) ہیں۔

اسلامی زاویۂ نگاہ سے بھی آپ نے کئی اصلاحات کی ہیں' مثلاً حکومتی اداروں اور پارلیمنٹ میں حجاب کی اجازت' شراب/سگریٹ پر پابندی' کثرتِ آبادی کی حمایت وغیرہ۔ عالمی تناظر میں بھی اردغان نے اسلامی کاز کو بہت تقویت پہنچائی ہے' جیسے بشارالاسد کے خلاف مجاہدین کی حمایت اور مہاجرین کو پناہ دینا' اسرائیل سے اعلانیہ دشمنی اور غزہ کی حمایت' صدر مرسی اور الاخوان المسلمون کی حمایت اور سیسی کا بائیکاٹ' برما کے روہنگیا مسلمانوں کے قتل عام پر احتجاج اور ان کی امداد وغیرہ۔

ان تمام اقدامات کی وجہ سے وہ ترکی ہی نہیں بلکہ تمام عالم اسلام میں بہت پسند کیے جانے لگے۔ خاص طور پر تحریکاتِ اسلامیہ کے باہمی عمل کے لیے وہ مثال کے طور پر پیش کیے جانے لگے۔ بالخصوص رابعہ العدویہ کے واقعے پر رابعہ کے نشان پر اُمت کو متحد کرنے پر بھی بہت مقبول ہوئے۔

شیخ فتح اللہ گولن

سیاسی محاذ کے علاوہ ایک دوسرے محاذ یعنی معاشرتی وتعلیمی اصلاح پر نمایاں ترین شخصیت کے طور پر شیخ فتح اللہ گولن کافی مقبولیت کے حامل ہیں۔ گولن ترکی میں موجود Hizmet (خدمت تحریک) کے بانی ہیں۔

فتح اللہ گولن ارضِ روم میں ۱۹۴۱ء میں ایک علمی ودینی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بھی ایک مسجد کے امام تھے۔ ابتدا ہی سے دینی تعلیم حاصل کی اور ۱۴ سال کی عمر میں پہلا وعظ کہا۔ بہت عرصے تک مختلف علاقوں میں امامت ووعظ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ

کے افکار بھی علامہ سعید نورسیؒ اور مولانا جلال الدین رومیؒ سے متاثر ہیں۔

آپ نے ترکی کے ماحول کو دیکھتے ہوئے جو حکمت عملی اپنائی وہ بہت ہی دور اندیش اور دیرپا تھی، یعنی آپ نے ترکی کے آئین کے تحت رہتے ہوئے لبرل آزادی کو تبلیغ اسلام کا ذریعہ بنایا۔ آپ نے دعوت وتبلیغ اور جماعت سازی کا کام نہایت پس پردہ رہتے ہوئے کیا۔

اس تحریک کے زیر اہتمام ''سلسلۂ صحبت'' کے ذریعے روایتی طریقۂ وعظ کو جاری کیا اور علمی میدان میں درجنوں کتابیں اور کئی جریدے مثلاً "fountain sizinti" وغیرہ شائع کیے۔ تعلیم اور نوجوانوں کی دینی اور اخلاقی تربیت کے لیے "dershane" درس گاہوں اور ہاسٹلز کا نظام قائم کیا۔ "KimSeYokMu" نامی فلاحی ادارے کے ذریعے عوامی ہمدردی حاصل کی۔ تاجروں کی ایک انجمن TUSKON کے نام سے قائم کی جس میں تاجروں کی اسلامی تربیت اور ذہن سازی کی جاتی ہے۔ "Journalists and writers foundation" نامی ادارے میں ایسے صحافیوں کو اکٹھا کیا جو کہ اسلام کا درد رکھنے والے ہیں اور اس کے ذریعے صحافتی میدان میں بہت کامیابی حاصل کی۔ آج ترکی کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا اخبار "Zaman" ہے جو اسی ادارے کے زیر اہتمام نکلتا ہے۔ اس تحریک کی ایک بہت بڑی خدمت بیرونِ ترکی بھی جاری وساری ہے جس کے تحت دنیا کے بہت سے ملکوں میں اسکولز قائم ہیں جن میں سے پاکستان کے پاک ترک اسکولز بھی شامل ہیں۔ اس طرح ترکی میں شیخ گولن کے معتقدوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے جو اسکولوں، یونیورسٹیوں، تجارتی اداروں، میڈیا اور حکومتی اداروں میں بھی شامل ہیں۔

شیخ فتح اللہ گولن خود بھی بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سیرت النبی ﷺ، نورِ سرمدی، المیزان، اسلام اور دورِ حاضر اور دیگر بہت سی کتب شامل ہیں۔

خواجہ آفندی محمود استا عثمان اوغلو

تیسرا محاذ جس پر ترکی کے اسلام پسند کام کر رہے ہیں وہ روحانی اور صوفیانہ ہے۔ اس کام میں سب سے نمایاں اسمٰعیل آغا تحریک ہے۔ یہ ایک نقشبندی سلسلے سے منسلک ہے جو ترکی کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس تحریک کے مرشد خواجہ آفندی محمود استا عثمان اوغلو ہیں۔

محمود آفندی ترابزون کے ایک گاؤں میں ایک دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ گھر میں ہی دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا۔ سولہ سال کی عمر میں روایتی علوم سے اجازتِ تدریس

حاصل کی۔ بچپن ہی سے نہایت متصوفانہ مزاج کے حامل تھے اور اولیاء کرامؒ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ ۱۹۵۲ء میں مشہور صوفی بزرگ، شیخ علی حیدر آفندی سے بیعت ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں استنبول میں امام کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۰ء میں اپنے شیخ کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔ ملکی حالات اور حکمت عملی کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ نے ۱۹۸۰ء میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اعلانِ جہاد کیا، مگر اس جہاد کا محاذ دوسرا تھا، یعنی روحانی اصلاح۔ اس کے بعد سے آپ نے دعوت وتبلیغ کی نیت سے کئی ممالک کے سفر کیے، جن میں عرب، شام، بخارا، ہند، انگلستان، جرمنی اور ایشیائے کوچک کے علاقے شامل ہیں۔ اس دوران آپ نے کئی اولیاء ومشائخ سے ملاقاتیں کیں اور خاص طور پر شیخ احمد سرہندیؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی کی۔ ۲۰۱۱ء میں آپ نے اپنے پچاس ہزار پیروکاروں کے ہمراہ عمرہ ادا کیا۔

دنیادار صوفیوں کی طرح آپ کا زور کرامات و بدعات پر نہیں، بلکہ آپ ایک راسخ العقیدہ عالم ہیں۔ آپ کے بارے میں شیخ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں: ''یہ ایسے شخص نہیں جو کرامات، تفاخر، بدعات اور گمراہی کی دعوت دیں، بلکہ یہ مضبوطی سے قرآن وسنت پر جمے ہوئے ہیں''۔ شیخ علی الصابونی بھی آپ کے پیروکاروں میں شامل ہیں اور آپ سے بیعت بھی ہیں۔ شیخ صابونی فرماتے ہیں: ''شیخ اس صدی کے مجدد ہیں اور شیخ ترکی کے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے شیخ ہیں۔''

خواجہ محمود آفندی کی علمی خدمات میں سے قرآن کا ترکی زبان میں ترجمہ، روح الفرقان نامی تفسیر (۱۷ جلدیں لکھی جا چکی ہیں اور ۵۴ جلدیں متوقع ہیں)، ''صحبتیں'' نامی چھ جلدوں پر موجود وعظ، دو جلدوں میں موجود شرح رسائل قدسیہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ آپ استنبول کی اسمٰعیل آغا مسجد میں باقاعدگی سے دروس دیتے آرہے ہیں۔ ''معرفت'' نامی ایک جریدہ بھی جاری کرتے ہیں۔

اس تحریک اور شیخ کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے لاکھوں پیروکار اس وقت ترکی اور دنیا بھر میں موجود ہیں۔ ترکی کے وزیراعظم اردغان کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ وہ بھی اس تحریک سے وابستہ ہیں۔

حالیہ کشمکش

ان تمام تحریکات میں ایک معاونت، یا اگر صحیح الفاظ میں کہا جائے تو عدمِ تعارض کا رویہ

موجود تھا۔ ایک دوسرے سے ٹکرائے اور برا بھلا کہے بغیر یہ تحریکات ترکی میں اسلام کے لیے بہت پائیدار کام کر رہی تھیں۔ یہاں تک کہ ترکی دیگر اسلامی ممالک اور تحریکاتِ اسلامیہ کے لیے مثال بننے جا رہا تھا اور امید تھی کہ یہ تدریجی منہج کامیاب ہوگا۔ مگر کچھ لادین عناصر کی ریشہ دوانیوں اور کچھ اپنوں کی غلطیوں کی وجہ سے شیخ فتح اللہ گولن اور وزیراعظم رجب طیب اردغان میں ایک کشمکش کی سی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ اس سے شدید اندیشہ ہے کہ ترکی میں اسلام کا کام خطرے میں نہ پڑ جائے۔ حکومت کی جانب سے ''خدمت تحریک'' کی درس گاہوں پر متوقع پابندی کی خبر کے بعد گولن تحریک کی جانب سے حکومت اور طیب اردغان پر کرپشن کے الزامات لگائے گئے۔ حکومت کی جانب سے پولیس میں موجود گولن تحریک کے حامیوں کو برطرف کیا گیا کہ یہ حکومت کو غیر مستحکم کرنے کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اس کے بعد گولن تحریک کی جانب سے چند سخت بیانات سامنے آئے تو ان کے کچھ صحافیوں پر پابندی لگا دی گئی۔ اور اب ایک ٹکراؤ کی سی کیفیت بن گئی ہے۔

شیخ گولن کی اس مقبولیت اور ان کے پیروکاروں کی حکومتی اداروں میں اثر و رسوخ کی وجہ سے ان پر ''متوازی ریاست'' قائم کرنے کا بھی مقدمہ ۱۹۹۷ء میں قائم کیا گیا جو ۲۰۰۸ء تک چلا۔ حکومتی کابینہ کے دو وزراء معمر گل اور ظفر چاغلیان پر ایرانی تاجر رضا ضراب کے ساتھ اسمگلنگ میں تعاون کرنے کا بھی الزام لگایا گیا۔ اور جب ان الزامات کا سلسلہ خود رجب طیب کے بیٹے تک پہنچا تو انہوں نے کچھ پولیس والوں اور کالم نگاروں پر پابندی لگا دی۔

اس سے قبل Gezi Park کے معاملے میں بھی درخت کاٹنے کو بہانہ بنا کر وزیراعظم کے خلاف مظاہرے پھوٹ پڑے، مگر اردغان ان سے بھی احسن جمہوری طریقے سے لڑے۔ ان الزامات کے دوران شیخ گولن، اپنے غیر سیاسی کردار کے برخلاف، Street Journal, Washington Post BBC,Wall وغیرہ کو انٹرویو دیتے رہے، جن میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں اپوزیشن کا کردار ادا کر رہا ہوں اور حکومت کو صحیح راہ دکھا رہا ہوں۔

کچھ عرصہ قبل شیخ گولن پر فوجی بغاوت میں فوج کی مدد کرنے کا بھی الزام لگایا گیا، اور ماوی مارمارا (Freedom Flotilla) کے واقعے میں بھی ان کا ایک متنازعہ کردار سامنے آیا۔ ایک ویڈیو میں اپنے پیروکاروں کو وعظ کے دوران کہتے ہیں: ''ہمارے ساتھیوں کا سول سروس، عدلیہ وغیرہ میں ہونا لازمی ہے..... ہمیں اپنے آپ کو ان اداروں میں قابل اعتماد ثابت کرنا

ہے، اور جب تک اداروں کی مضبوطی مسلم نہ ہو جائے اس سے قبل کوئی اقدام قبل از وقت ہوگا۔''

گزشتہ ایام میں حکومت کی طرف سے انٹرنیٹ پر نگرانی (Surf Monioring) اور جج اور استغاثہ کے قوانین میں سختیوں کی وجہ سے حکومت پر خوب تنقید کی گئی ہے۔ حال ہی میں Twitter پر پابندی کی وجہ سے اردغان پر غیر جمہوری ہونے کا الزام لگایا جا رہا ہے۔

پس چہ باید کرد

ایسے حالات میں مسلمانوں پر لازم ہے کہ صرف تماشائی بن کر حالات کو بگڑتے نہ دیکھیں، بلکہ قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق کوشش کریں:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ (الحجرات:۹)

''اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ!''

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ ''تفہیم القرآن'' میں اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان الفاظ سے یہ بات خود بخود نکلتی ہے کہ آپس میں لڑنا مسلمانوں کا معمول نہیں ہے اور نہیں ہونا چاہئے۔ نہ ان سے یہ امر متوقع ہے کہ وہ مؤمن ہوتے ہوئے آپس میں لڑا کریں گے۔ البتہ اگر کبھی ایسا ہو جائے تو اس صورت میں وہ طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے جو آگے بیان کیا جا رہا ہے..... اس کے مخاطب وہ تمام مسلمان ہیں جو ان دونوں گروہوں میں شامل نہ ہوں اور جن کے لیے ان دونوں میں صلح کی کوشش کرنا ممکن ہو۔ دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمانوں کا یہ کام نہیں ہے کہ ان کی اپنی ملت کے دو گروہ آپس میں لڑ رہے ہوں اور وہ بیٹھے ان کی لڑائی کا تماشہ دیکھتے رہیں، بلکہ یہ افسوس ناک صورتحال جب بھی پیدا ہو، تمام اہل ایمان کو اس پر بے چین ہو جانا چاہیے، اور ان کے باہمی معاملات کی اصلاح کے لیے جس کے بس میں جو کوشش ہو وہ اسے صرف کر ڈالنی چاہیے۔ فریقین کو لڑائی سے باز رکھنے کی تلقین کی جائے، انہیں خدا سے ڈرایا جائے، با اثر لوگ فریقین کے ذمہ دار آدمیوں سے جا کر ملیں، نزاع کے اسباب معلوم کریں، اور اپنی حد تک ہر وہ کوشش کریں جس سے ان کے درمیان مصالحت ہو سکتی ہو۔''

محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ ''مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب'' میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''مسلمان بھی آخر انسان ہیں۔ خطا اور نسیان کا ارتکاب ہر انسان سے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے مابین اگر کوئی جھگڑا کھڑا ہو جائے، وہ باہم لڑنے اور جھگڑنے لگیں تو یہ

کوئی انہونی بات نہیں ہے ایسا ہوسکتا ہے' پوری نیک نیتی کے ساتھ بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔ پھر حالات ایسی بھی صورت اختیار کر سکتے ہیں کہ دونوں فریق اگرچہ نیک نیت ہوں اور پھر بھی مسئلہ الجھتا چلا جائے۔ خاص طور پر اس صورت میں جب کہ کچھ خارجی عناصر بھی موجود ہوں' کوئی سازشی عنصر اندر بھی موجود ہو جو کہ دونوں فریقوں کو بھڑکا رہا ہو..... فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا کہ یہ تمہارا فرض ہے کہ ان کے مابین صلح کرادو۔ یعنی بے تعلقی کا رویہ صحیح نہیں ہے کہ ہمیں مداخلت کی کیا ضرورت ہے' یہ ان کا آپس کا معاملہ ہے' جس سے وہ خود نمٹیں۔''

مندرجہ بالا عبارتوں سے واضح ہے کہ ایسے موقع پر جب کہ اُمتِ مسلمہ کو اتحاد کی سخت ضرورت ہے' ہمارے لیے راہِ عمل کیا ہونا چاہیے۔ ہمارا دائرہ اختیار جہاں تک ہو ہمیں وہاں تک اس اختلاف کو رفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کا کام نہ رکے اور اتحاد بین المسلمین برقرار رہے۔

بقیہ: مسنون اعتکاف کی فضیلت

جو لوگ اعتکاف کا ارادہ کریں' اعتکاف سے پہلے وہ کسی صاحبِ علم سے اعتکاف کے آداب و مسائل سیکھ لیں تاکہ اعتکاف کے ایام پوری سنجیدگی سے گزاریں اور عید الفطر کے دن اعتکاف کی نعمت سے استفادہ کرنے کی بدولت شاداں و فرحاں ہوں اور اللہ کے حضور سجدۂ شکر بجالائیں۔

اس حوالے سے آخری بات نوٹ کرنے کی یہ ہے کہ رمضان کی آخری رات یعنی چاند رات بڑی فضیلت کی حامل ہے اور اس رات مزدور کو اُس کی مزدوری دی جاتی ہے اور اسی رات روزے داروں اور معتکفین حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش کے پروانے بطور انعام دیے جاتے ہیں۔ اس لیے روزے داروں اور معتکفین حضرات کو چاہیے کہ وہ اس قدر فضیلت والی رات کو بازاروں میں گھوم کر ضائع کرنے کے بجائے ربّ العزت کے حضور سربسجود ہوں تاکہ وہ بخشش کے فیصلے کے مستحق ٹھہریں۔ اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ملاحظہ ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رمضان کی آخری رات میں اُمت کے لیے مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کیا جاتا ہے''۔ آپؐ سے دریافت کیا گیا: کیا وہ رات ''شب قدر'' ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمل کرنے والا جب اپنا عمل پورا کردے تو اس کو پوری اُجرت مل جاتی ہے۔'' (مسند احمد) ◆◆◆

عمرہ ۲۰۱۴ء

ڈاکٹر صاحبزادہ انوار احمد بُگوی ☆

عمرہ جسے چھوٹا حج بھی کہا جاتا ہے' ایک نفلی عبادت ہے۔ عمرہ سارے سال میں کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے۔ حج کی طرح اس عبادت پر تاریخ اور وقت کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ عمرہ کا آغاز مَردوں کے لیے دو اَن سلے سفید کپڑوں کا احرام باندھنے سے ہوتا ہے اور طوافِ کعبہ اور صفا مروہ کے درمیان سعی اور بال کٹوانے پر ختم ہوتا ہے۔ عمرہ کے تمام ارکان مسجد حرام مکہ معظّمہ میں ادا کیے جاتے ہیں۔ اس طرح مکہ پہنچ کر عمرہ کا سارا عمل گھنٹے ڈیڑھ میں بآسانی مکمل کیا جاسکتا ہے۔

عمرہ اصل میں سعادت' استطاعت اور شوق کا سفر ہے۔ آپ کے پاس وقت اور سرمایہ وافر ہے تو بار بار بلکہ سال میں کئی بار بھی عمرہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن غریب زائرین اور محدود وسائل والے مستعمرین (عمرہ کرنے والوں) کے لیے تو ایسی لگژری ممکن نہیں ہے۔ اب چونکہ حج کے اخراجات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور پیسے کی بنیاد پر امتیازی درجہ بندی میں اضافہ ہو رہا ہے' چنانچہ سعودیہ کی پالیسی کے تحت حج کرنے والوں کا ہجوم اب بہت بڑھ گیا ہے۔ اس لیے غریبوں اور ضعیفوں کے لیے حج کی بجائے عمرہ واقعی ایک چھوٹا حج بن کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ عمر بھر کی کمائی سے کی جانے والی یہ عبادت ان زائرین کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ عمرہ کرنے والوں کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

سعودی عرب اور پاکستان دونوں حکومتوں کو اپنے عوام کی خوشنودی اور مذہبی مصروفیت مقصود ہے' شاید اسی لیے اب عمرہ دونوں ممالک کا ایک زبردست کاروبار اور بہت فائدہ مند کمرشل سرگرمی ہے۔ عوام بھی ثواب کمانے میں مصروف اور دونوں حکومتوں کے بااثر اور کاروباری طبقے مستعمرین کے تن ڈھانپنے والے احرام سمیٹنے میں مصروف۔

پاکستان کے اربابِ ثروت اور اصحابِ اقتدار کے لیے عمرہ کا انحصار ضرورت اور وسائل تک محدود نہیں رہا' بلکہ ہر سیاسی کامیابی اور تجارتی کامرانی کے لیے اور منافع ملنے کے بعد عمرہ ضروری

☆ سابق ایڈوائزر وایڈیشنل سیکریٹری صحت' حکومت پنجاب۔

ہے۔ اب تو یہ ایک فیشن' ایک بزنس اور ایک چلن بنتا جا رہا ہے۔ اربوں کھربوں کا یہ بزنس پی آئی اے' حج عمرہ آپریٹرز اور وزارت مذہبی امور کی Life Line بن چکا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حرمین کے سفر شوق میں دل کی کیفیات میں ضرور تلاطم آتا ہے مگر کیا یہ تکرار مسنون و مشروع ہے؟ جنہوں نے اس سوال کا جواب دینا ہے یعنی مولوی اور پیر صاحبان' ان کی اکثریت سال بھر یہی نیکی کمانے کے لیے مفت کے پھیرے لگاتی رہتی ہے۔ یہ کتنا عجیب ہے کہ بار بار اس جذباتی تلاطم سے گزرا جائے' لیکن پاکستان میں ہماری زندگی کا چلن خصوصاً امانت و دیانت' حق و صداقت' مخلوق سے برتاؤ' کاروباری طور طریقے' ملکی قوانین شکنی' رسم و رواج کی پابندی' حسن اخلاق' نوکروں' مزدوروں' کسانوں' عورتوں' ضعیفوں اور بچوں کے حقوق' پیسے کی اندھی دوڑ' جھوٹ اور منافقت' حق تلفی' مقدمہ بازی' مسلمانوں کا باہمی قتل و غارت' عورتوں کا اغوا' گینگ ریپ اور تیزاب سوزی' مغرب اور امریکہ کی غلامی' اردو کی بجائے انگریزی سے محبت' گرانی اور ملاوٹ' رشوت اور فریب' ملک کے وسائل کی بے دریغ لوٹ مار' تعصب اور فرقہ واریت' میرٹ سے گریز' ہر سطح پر گروہ بندی' کام چوری' اسراف' دنیا کی بے لگام رغبت اور اس کی ہوس' ٹی وی چینلز کی یلغار —— غرض یہ تمام ''اوصاف اور خصائل'' جوں کے توں رہیں بلکہ اگلے عمرے سے پہلے اور زیادہ ہو جائیں تاکہ اللہ سے معافی تلافی کا کالا شاپر بھاری ہو جائے۔ گویا پچھلے عمرے کے بعد گناہوں اور غلط کاریوں کا میٹر پھر زیرو (0) پر آجاتا ہے۔

جب ایک حج ادا کرنے سے انسان کے فکر و عمل میں تبدیلی کی توقع رکھی جاتی ہے تو عمرہ جو محنت و مشقت میں حج سے چند درجے کم سہی' اس کے کچھ اثرات تو کہیں نظر آنے چاہئیں۔ کردار کی اس دوئی کا مطلب یہ ہے کہ مکہ مدینہ میں ہمیں خدا کا جلوہ نظر آتا ہے اور پاکستان میں ہماری اپنی خدائی جلوہ گر ہوتی ہے۔ ہر روز مختلف شہروں سے ہزاروں اور سال میں لاکھوں پاکستانی عمرہ کے لیے سعودیہ جا رہے ہیں۔ اتنا وقت' سرمایہ اور وسائل اللہ کے گھر کے نام پر صرف ہو رہے ہیں تو پھر تبدیلی کہاں ہے؟ فکر اور عمل میں یہ تبدیلی آخر سفر حرمین میں' مکہ مدینہ میں اور لوٹ کر پاکستان میں کہیں تو نظر آنی چاہیے!

لاہور سے جدہ: عمرہ زائرین میں سب سے بڑی تعداد پاکستانی مسافروں کی ہوتی ہے۔ اس کثرت میں غربت اور جہالت کی فراوانی ہوتی ہے' جس کا نتیجہ لاچارگی' محرومی اور دکھوں کی صورت میں جا بجا نظر آتا ہے۔ یہ درماندہ اور بے لیڈر دور سے پہچانے جاتے ہیں۔ مسافروں کی بہت بڑی تعداد پہلی بار بڑے شہروں میں پی آئی اے کے جہاز میں وارد ہوتی ہے۔ جب ہر جگہ انگریزی کا راج ہو تو ایک معمر اور بے خبر مسافر کو بار بار خفت اور بے بسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پی آئی اے کے جمبو جہاز میں سواگت کرنے والی ائر ہوسٹس اچھی شکل کے باوجود بڑی بیزار نظر آتی تھی۔ وہ بورڈنگ کارڈ دیکھے بغیر دیہاتی مسافروں کو کارڈ پڑھنے اور جگہ ڈھونڈنے کے لیے انگلش

زدہ اردو میں ہدایات دے رہی تھی۔ اس 'رہنمائی' کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سارے بزرگ مسافر غیر مقررہ نشستوں پر بیٹھ گئے اور یوں نشست و برخاست کا سلسلہ دیر تک چلتا رہا۔

جہاز کی نشست کے سامنے دائیں جیب میں جو مطبوعہ مواد تھا اس میں عمرہ یا عبادات کے بارے میں کوئی تحریر نہ تھی۔ دورانِ پرواز جو لاہور سے جدہ تک پانچ گھنٹوں پر پھیلی ہوئی تھی' سکرین پر عمرہ اور حرمین کے حوالے سے کوئی معلوماتی یا ہدایاتی فلم نہ تھی۔ اس عمرہ فلائٹ پر قرآنی آیات یا مسنون دعائیں یا ان کا ترجمہ نہ تھا۔ صرف پرواز کے بارے میں اُکتا دینے والی چند رسمی معلومات بار بار سامنے آ رہی تھیں۔ دورانِ پرواز عملے نے کسی نماز کے وقت کے بارے میں اعلان نہ کیا۔ ایک مسلم ملک کی عمرہ پرواز' جہاں اکثر زائرین احرام پوش تھے' سے ایک بار بھی تلبیہ لاؤڈ سپیکر سے بلند نہ ہوا۔

جدہ ائرپورٹ پر اترے تو بس کسی دور افتادہ عمارت میں لے گئی جہاں غیر عرب عملے نے تمام مسافروں کے باری باری منہ کھلوائے اور ان میں دو دو قطرے ڈالے۔ اکثر بزرگ یہ سمجھے کہ انہیں پولیو سے بچاؤ کے قطرے دیے گئے ہیں' مگر انہیں بتایا گیا کہ قطرے انفلوئنزا سے بچاؤ کے لیے ہیں۔ اس مقام سے امیگریشن تک بزرگوں' عورتوں اور بچوں کو سامان کے ساتھ کافی چلنا پڑا۔ تاہم خروج کا عمل جلد اور بآسانی ہوگیا۔ کسٹم کلیئرنس نام کی کوئی رسمی کارروائی بھی نہ ہوئی۔ غالباً جہاز پر بک شدہ سامان جب صقینہ سکریننگ سے گزرا تو اسی سے کسٹم حکام کی تسلی ہوگئی۔ جو لوگ پاکستان سے سفر کرتے ہیں ان پر اعتبار اور ان کے احترام کا یہ نادر موقع نظر آیا۔ یوں لگا جیسے پاکستان سے باہر ہماری کچھ عزت ہے اور ہم پر بھی کچھ اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

ٹرمینل سے نکلے تو عجب بے بسی کا عالم تھا۔ وہاں کوئی ایسا کاؤنٹر یا بورڈ آویزاں تھا اور نہ ہی کوئی باوردی گائیڈ جو لمبی پرواز سے بوکھلائے ہوئے مسافروں کو بتاتا کہ اب انہیں کیا کرنا ہے' کس کے پاس جانا ہے' کس طرح مکہ پہنچنا ہے۔ کافی دوڑ دھوپ اور پوچھنے کے بعد ایک نوجوان ملا جس کے پاس کوئی شناخت نہ تھی۔ اس نے بتایا کہ اپنے پاسپورٹ اس کے حوالے کر دیں اور انتظار کریں۔ کافی دیر کے بعد ایک بس کی جانب اشارہ ہوا جو ہمیں مکہ لے جائے گی۔ خود ہی سامان لاد کر بس میں بیٹھ گئے اور پھر بیٹھے رہے۔ آدھ گھنٹہ' گھنٹہ' ڈیڑھ گھنٹہ۔ اس کے بعد مسافروں خصوصاً خواتین نے واویلا کیا کہ رات کا ایک بجنے والا ہے' ہمیں کسی جگہ تو پہنچاؤ۔ اصل میں ہوتا یہ ہے کہ زائرین کے سر بکتے رہتے ہیں' یعنی موقع کے مطابق ان کی قیمت کی ڈور ایک کاروباری سے دوسرے کے ہاتھ میں تھمتی چلی جاتی ہے۔ اصل کاروباری یعنی عربی معلم اور پاکستانی ایجنٹ کا ان بے وطن جانداروں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ٹرانسپورٹ والا انتظار کرتا ہے کہ بیک وقت مختلف ممالک کی متعدد پروازوں کے مسافروں کو لاد کر ایک بار ساتھ لے جائے۔ احتجاج کے نتیجے میں بالآخر بس روانہ ہوگئی۔ مقدس

سرزمین پر گویا یہ پہلا 'احتجاجی دھرنا' تھا جو کامیاب رہا۔

مکہ میں مقررہ ہوٹل میں جا اترے۔ بس ڈرائیور سے مسافروں کے پاسپورٹ ہوٹل میں موجود سعودی معلم کے ایک کارندے کو منتقل ہوگئے۔ تھکے ماندے مسافروں نے گاڑی کے نیچے سامان کے خانے سے خود ہی سامان گھسیٹ کر باہر نکالا اور پھر اٹھا اٹھا کر ہوٹل کے اندر لے گئے۔ وہاں لابی میں انتظار شروع ہوگیا کہ کب کمرے خالی ہوں اور نئے مسافر پرانوں کی جگہ سنبھالیں۔ لابی میں ٹی وی سکرین پر ایک بولڈ انگلش فلم چل رہی تھی۔ خدا خدا کر کے کمرے ملے تو ایک اچھی لفٹ کے ذریعے کمروں میں سامان کے ساتھ منتقل ہوگئے اور للہ الحمد' نویں منزل پر کمرے کو صاف اور موزوں پایا۔

مکہ مکرمہ میں: پاکستان میں بک کرنے والے ایجنٹ اور ان کے شراکت دار عربی معلم زائرین کو ہوٹل کی حالت اور سہولیات' اس کا حرم سے صحیح فاصلہ اور راستہ اور دیگر اطلاعات سے بے خبر رکھتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر بعض ہوٹل والوں نے تصاویر بھی دے رکھی ہیں مگر یہ تصاویر اس وقت کی ہیں جب ہوٹل جوان تھا۔ راستہ اگر ۱۵۰۰ یا ۱۰۰۰ میٹر بھی ہو تو یہ واضح نہیں ہوتا کہ راہ میں کتنی چڑھائی یا اترائی ہے' راستہ کتنا ہموار اور کیسا ٹریفک زدہ ہے۔ ہوٹل کی حالت اور حرم کا راستہ وہاں جا کر اور بیتنے پر معلوم ہوتا ہے۔ سعودیہ میں سڑک کے کنارے فٹ پاتھ کا رواج نہیں ہے۔ کھلی سڑک پر آنے جانے کے لیے علیحدہ نشانات نہیں ہوتے چنانچہ ہجوم ایک دوسرے سے ٹکراتا رہتا ہے۔ اکثر جگہوں پر تعمیراتی میٹریل آڑے آتا ہے۔ نماز کے اوقات میں ہوٹل سے شٹل سروس حرم تک لے جاتی ہے مگر واپسی کے لیے کوئی انتظام نہیں ہوتا۔

حرم کے باہر زائرین کی رہنمائی کے لیے ایسے نقشے نہیں لگائے گئے جن کی مدد سے وہ حرم میں آنے جانے میں آسانی پا سکیں' تجربے پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ جوتوں کی حفاظت کے لیے سعودی سرکار نے اپنی سی بہت کوشش کی ہے' مگر عالمِ اسلام کا یہ گوشۂ پاپوش بدستور' دوسرے مسائل کی طرح پریشانی کا شکار ہے۔ طرفہ یہ کہ حرم کے جوتے دان وقفے وقفے کے بعد خالی کر دیے جاتے ہیں اور لاوارث جوتوں کو بلاتفریق دروازوں کے باہر ایک کونے میں ڈھیر کر دیا جاتا ہے۔ وہاں جوتوں کی تلاش کے الگ لطائف ہیں۔ جوتوں کے لیے شاپر دستیاب ہوتے ہیں مگر سب دروازوں پر ان شاپر کا رنگ ایک جیسا ہے اور پھر پکڑنے کے لیے شاپر میں جگہ نہیں بنائی گئی۔ حرم میں جوتے کی حفاظت پاکستان کی مسجد میں اس کی حفاظت سے کم اہم نہیں ہوتی۔

استقبال اور استیلام کے لیے حجرِ اسود کی سیدھ میں ایک سبز ٹیوب لائٹ لگائی گئی ہے۔ گویا یہ وہ خط ہے جہاں سے طواف شروع کیا جاتا ہے اور اسی جگہ پر اکثر لوگ اپنا طواف کا آخری ساتواں چکر مکمل کرتے ہیں۔ چونکہ زائرین سارے کے سارے مسلمان اور زیادہ تر پاکستانی ہیں اس لیے وہ عقل

سے زیادہ جذبے سے کام لیتے ہیں۔ اسی سبز خط پر وہ سیدھے طواف کے سمندر میں داخل ہوتے ہیں اور اسی خط سے وہ میانِ طواف سے سیدھے تیرتے ہوئے سبز روشنی کی طرف آ کر سینے کے زور پر باہر نکلتے ہیں۔ طواف کے عروجی اوقات میں یہ مقامِ سبز سب سے نازک مقام ثابت ہوتا ہے۔ اگر زائرین جہاں سے موقع ملے ترچھے ہو کر آہستہ آہستہ طواف کے ریلے میں شامل ہوں اور ختم کرتے وقت ترچھے ہی کسی بھی جگہ سے مطاف سے دھیرے دھیرے باہر نکل آئیں تو اتنی دھکم پیل، اذیت اور پریشانی لاحق نہ ہو۔ مگر اس راست اقدام کے لیے معلومات اور تربیت درکار ہے اور اس کے لیے اتنا صبر کہاں؟

خانہ کعبہ کے گرد طواف کے سات چکّر ایک اہم عبادت ہے اور طواف کا رکن رکین۔ اس عبادت کے دوران پاکستانی زائرین خاص طور پر درج ذیل اہم مصروفیات میں نظر آتے ہیں:

(۱) ایک دوسرے کے ساتھ دُنیوی اور ذاتی گفتگو۔

(۲) وطن میں موبائل فون پر آنکھوں دیکھا حال اور کمنٹری۔

(۳) خواتین اور دیگر اہلِ خانہ کے ساتھ فوٹو گرافی، جس کے پیچھے کعبۃ اللہ اپنے غلاف میں منہ چھپائے حیران کھڑا ہو۔

حرم کے اندر کئی جگہوں پر چند ہدایات انگریزی، اردو، عربی، فارسی، ترکی زبانوں میں لکھی ہوئی ہیں مگر وہ بہت ناکافی ہیں۔ زائرین کی اوسط تعداد کے مطابق زیادہ زبانوں میں مختصراً مگر نمایاں ہدایات جگہ جگہ display ہونی چاہئیں۔ بہت سارے زائرین حرم کعبہ سے باہر صحنوں میں نماز پڑھتے ہیں، ان کے لیے neon lights کے ذریعے تبلیغ و تلقین کی جاسکتی ہے۔ انتظار کا وقت کچھ ادب و اخلاق سکھانے پر صرف کیا جاسکتا ہے۔ حسن اخلاق بھی آخردین کا حصہ ہے۔

شرک اور بدعت آج کے مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ اور چیلنج ہے۔ اس سنگین غلطی کے ازالے اور صراط مستقیم کی رہنمائی کے لیے حرمین کے سفر سعادت سے بڑا موقع کیا ہوسکتا ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں ہر قوم کی زبان میں اس کے اہلِ علم اور اہلِ دل کی تحریریں موجود ہیں۔ اگر وہ ممکن نہیں ہے تو قرآن و حدیث سے سادہ الفاظ میں ترجمہ یا رہنمائی سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

اردو سعودی عرب کی Lingua Franka اور دوسری بڑی زبان ہے، جسے عرب اور غیر عرب تمام لوگ سمجھتے اور بولتے ہیں۔ شہروں کی عربی بھی اب اردو آمیز ہو چکی ہے۔ زائرین کی رہنمائی کے لیے اردو، عربی اور انگریزی کا زیادہ سے زیادہ استعمال زائرین کے لیے مفید ہے۔ پاکستان میں آئینی تحفظ کے باوجود آج تک اردو رائج نہیں ہوسکی۔ اندازہ ہوتا ہے کہ کم از کم اس سرزمین (سعودی عرب) پر اردو مزید پھلے پھولے گی۔

ہر نماز سے گھنٹہ ڈیڑھ پہلے ہر سمت سے زائر کشاں کشاں سوئے حرم رواں نظر آتے ہیں جیسے مضطرب لہریں ساحل کی طرف، جیسے شہد کی مکھیاں چھتے کی جانب۔ سرمستی اور خود فراموشی کا عالم، ہر نگاہ خدا کے گھر کی متلاشی۔ بلندی سے دیکھیں تو نیچے انسانی سروں کا سمندر، ہچکولے کھاتی لہروں کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک مسحور کن صوتی بھنبھناہٹ سنائی دیتی ہے۔

اسلام کی کشادگی اور وسعت (opennes)، رواداری اور تنوع کا اندازہ صرف حرم کعبہ میں ہوتا ہے۔ اپنے اردگرد دیکھیں تو ملک ملک کا زائر اپنے اپنے طریقے پر اور اپنے اپنے انداز میں نماز ادا کر رہا ہے۔ گویا سب کی نماز صحیح ہے اور قبول ہو رہی ہے۔ کوئی دوسرے پر اعتراض نہیں کرتا۔ یہ برداشت سعودی پولیس کے خوف سے نہیں ہے، بلکہ حرم کی عظمت، دین کی وسعت اور مسلمان کی حرمت کا تقاضا ہے۔ عبادت کے سارے طریقے، خدا کو پکارنے کے کل سلیقے، قیام و رکوع اور سجود و تحیّہ کے تمام انداز —— اسلام ہیں۔ گویا نماز اور عبادت کے یہ تمام اسالیب نبی اکرم ﷺ کے مقتدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منسوب ہیں اور سنت کی شکل میں یہاں تک پہنچے ہیں۔ یہاں کوئی دوسرے کی تکفیر نہیں کرتا۔ کوئی دوسرے کے طریقے کو مردود نہیں کہتا۔ ہر کلمہ گو اپنے انداز میں اپنے خالق سے ہم کلام ہے اور یہ تمام طریقے بالکل اسلام ہیں۔ وہ منظر کتنا پُر کیف ہوتا ہے جب ملائی یا انڈونیشیائی مسلمان عورتوں کا گروپ یک زباں دعائیں مانگ رہا ہوتا ہے۔ جب ایک نوجوان ترک بھیگی آنکھوں کے ساتھ اپنے لہجے میں ایک دعا کی تکرار کرتا ہے اور اس کے مرد و عورت ساتھی اس کے ساتھ ہم آواز خدا کی تحمید و تقدیس کرتے ہیں۔ کوئی رنگ نہیں، کوئی نسل نہیں، کوئی زبان نہیں۔ آج سب کا خدا ایک، کعبہ ایک اور کلمہ ایک ہے۔

عمرہ اور حج کی عبادت میں حرم ایک کلیدی شعیرہ ہے۔ سعودی حکومت کے کاروباری بلکہ تجارتی انداز نے حرم کو چاروں طرف سے چار سٹار، پنج سٹار اونچے اونچے ہوٹلوں میں گھیر دیا ہے، جن کے نفیس ٹوائلٹ اب حرم سے اونچے ہیں۔ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا تعمیر کردہ حرم کاروباری خلیجوں (Towers) میں دب کر رہ گیا ہے۔ عیسائیوں کے Vatican کو دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا اور مادہ پرست مغرب نے کیسے اپنے خداؤں کو دنیا کے سائے سے بچا کر رکھا ہے۔ اس بستی میں خدا کا گھر اور پوپ کاروباری مراکز سے محفوظ ہیں۔ البتہ ہم نے شان و شوکت، کروفر اور سج دھج میں ضرور کلیسا کی تقلید کی ہے۔ ہماری ظاہرداری اور ظاہر پرستی کو دیکھ کر اقبال بھی پکار اٹھا:

میں نا خوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو

حرم کی صفائی و ستقائی کے کیا کہنے! دن کے چوبیس گھنٹے، ہفتے کے سات دن مسلسل صفائی، ستھرائی

وچمکائی کا کام جاری رہتا ہے۔اس کی ضرورت بھی ہے اور اہمیت بھی۔اس میں سرکار کا نام بھی ہے اور عالمی شاباش بھی۔ زائرین کی تمام تر کوششوں کے باوجود حرم کسی بھی وقت گندا نہیں ہوتا۔ زائرین کا حال یہ ہے کہ دورانِ طواف بعض بھلے مانس کھجوریں بانٹتے ہیں۔ان کا مقصد طواف کی مشقت میں غالباً انرجی بہم پہنچانا اور ثواب کمانا ہے' مگر سادہ لوح زائر چلتے چلتے کھجوریں کھاتے اور وہیں گٹھلیاں پھینک دیتے ہیں جو طواف کرنے والوں کے پاؤں میں چبھتی رہتی ہیں۔ دوسری گری پڑی چیزیں بھی نظر آجاتی ہیں۔

عمرہ کی تیاریوں میں زائر کو حجامت کے ساتھ ناخن کٹوانے کی بھی بہت تاکید ہے۔طواف کے دوران اکثر ایک زائر کے پاؤں کی انگلیاں اگلے زائر کی ایڑیوں سے ٹکرا جاتی ہیں' لمبے ناخن دوسرے کو زخمی کر سکتے ہیں۔ بغلوں کی صفائی سے دوسروں کو بدبو نہیں آتی۔

مسلمان خصوصاً پاکستانی بہت دلچسپ اور سادہ زائر ہیں۔ جب کچھ سادہ دل حرم سے حضرت علی ہجویریؒ کے نام کی دیگ ٹپک کرا سکتے ہیں تو یہ امر باعث تعجب نہ ہوگا کہ وہ اپنے مسائل' مشکلات اور حاجتوں کی تفصیل اللہ تعالیٰ کے نام اردو اور انگریزی میں لکھتے ہیں' پھر بڑی تگ و دو کے بعد یہ درخواست خانہ کعبہ کی دہلیز پر حطیم کے اندر یا مقامِ ابراہیم کے نزدیک پیش کرتے ہیں۔ دورانِ طواف غور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حرم کے خدام تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد انہی درخواستوں سے کچرے کے ڈرم بھر بھر کر باہر کوڑے میں پھینکتے ہیں۔ شاید سادہ لوحوں کے نزدیک اللہ میاں ان کے پیر و مرشد کی طرح کالے کوٹھے کے اندر مصروفِ عبادت ہیں' انہیں ان کی نگاہ اور توجہ درکار ہے۔

طواف مکمل کرنے کے بعد زائر حرم میں دو نفل ادا کرتا ہے۔اس کے بعد وہ زم زم کے لیے آتا ہے۔ یہاں پلاسٹک کے بڑے بڑے کولروں میں ٹھنڈا اور سادہ آب زم زم تھرموپور گلاسوں میں پیا جاتا ہے۔ پینے کے بعد زائرین اپنا چہرہ' سر' داڑھی اور جسم تر کرتے ہیں اور اتنا تر کرتے ہیں کہ وہاں عام آدمی پھسلنے سے بمشکل بچ پاتا ہے۔ نیچے نہ پانی جذب کرنے والا قالین ہے اور نہ پھسلن سے بچنے کا کوئی طریقہ۔ بوڑھوں اور ضعیفوں کی ہڈیاں تو پہلے ہی کمزور ہوتی ہیں۔

سعودی فقہاء کے فتاویٰ کی روشنی میں اب سعی کی جگہ دو منزلوں پر محیط ہے' ایک فرشی اور دو بالائی منزلیں۔فرش کے دونوں جانب صفا اور مروہ کی چوٹیوں کے پتھر باقی رہنے دیے گئے ہیں' یہ پتھر پہلی اور دوسری منزل سے نیچے دکھائی دیتے ہیں۔ زائرین کی ایک تھوڑی سی تعداد ان ٹیڑھے میڑھے اور کھردرے پتھروں پر بلا جواز نفل پڑھتی نظر آتی ہے۔ حیرانی اس بات پر ہوئی کہ ان نمازیوں میں کوئی پاکستانی نہیں تھا۔سعودیوں نے ان پتھروں پر ایک سخت قسم کا پینٹ بچھا رکھا ہے جس کی وجہ سے پتھروں کے ٹکڑے اکھیڑنا ممکن نہیں رہا ہے' ورنہ بچی کھچی پہاڑیاں اب تک بطور تبرک تقسیم ہو چکی ہوتیں۔

خانہ کعبہ کے چاروں طرف کئی کئی سو میٹر تک سیاہ پتھر سے آڑھی ترچھی لکیریں لگائی گئی ہیں۔ یہ لکیریں حرم کے اندر' حرم کے باہر' برآمدوں میں' سعی کے مقام پر فرض نماز کے وقت کعبہ کی طرف منہ کرنے اور صفیں صحیح باندھنے کے لیے وسیع پیمانے پر لگائی گئی ہیں۔ حرم کے اندر توسیع و تعمیر کا کام بھی قابل توجہ ہے۔ کیا ضروری ہے کہ پچاس لاکھ زائرین کے لیے توسیع کی جائے' جبکہ عملاً ایسا ممکن نہیں ہے۔ جب حرم کے اندر کئی منزلہ مطاف بن رہے ہیں تو لازمی ہے کہ ان کے ساتھ حرم کے باہر عبادات سے منسلک ضروریات اور شہر کے اندر اتنی سہولیات مطلوب ہوں گی جو آج بھی ناکافی ہیں۔سعودی فقہاء کو سوچنا چاہیے کہ رفث' فسوق اور جدال کا ماحول اور احتمال تو ہجوم کی وجہ سے بڑھتا جائے گا اور عبادت ادا کرنا مشکل تر ہوتی جائے گی۔ چنانچہ زائرین کی تعداد کو ایک معقول حد تک محدود رکھنا چاہیے۔توسیع کے کام میں قدیم محلے اور پرانی بستیاں غائب ہو رہی ہیں۔ مکہ کے قدیم آثار اب کتابوں اور یادوں کا حصہ بن چکے ہیں۔آثار کو باقی رکھنے اور دیکھنے میں کوئی شرک نظر نہیں آتا۔ ہاں عمرہ اور حج کو محض کاروبار بنا دینا ضرور معیوب ہے۔

سعودی حکومت کے بھلے کاموں میں ایک قرآن حکیم کی طباعت اور تقسیم بھی ہے۔ایک مصحف ایک ہی انداز میں مختلف سائزوں میں چھاپا جا رہا ہے۔عمرہ کرنے والوں کو واپسی پر کوئی نسخہ مفت نہیں ملتا۔ چند نسخے ایسے بھی ہیں جو خصوصاً برصغیر کے زائرین کی سہولت کے لیے الگ سے چھاپے گئے ہیں جن میں رکوع کے نشان بھی دیے گئے ہیں۔ ہر سپارہ علیحدہ اور بائیں صفحے سے شروع ہوتا ہے۔ زیادہ تر نسخے پارہ اور رکوع کی تخصیص کے بغیر ہیں۔اس خدمت سے ایک قرآن' ایک رسول اور ایک امت کا تصور پختہ ہوتا ہے۔ عالم اسلام میں ایک قراءت کو ترویج مل رہا ہے۔ نابیناؤں کے لیے بریل کے نسخے' کہیں کہیں انگریزی' اردو ترجمہ بھی ہے۔مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کا ترجمہ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا حاشیہ اب سعودی حکومت نے چھاپنا بند کر دیا ہے۔اس ترجمے میں سورۃ الفاتحہ کی آیت استعانت کا حاشیہ قابل اعتراض تھا۔اس غلطی کے ازالے کے ساتھ بریلوی ترجمہ پر بندش کا معاملہ برابر ہو گیا۔ کبھی کبھی اردو لٹریچر بھی حرم کے ایک سٹینڈ پر رکھا جاتا ہے مگر زور جادو ٹونے اور قبر پرستی کی مخالفت پر ہوتا ہے۔شاید پاکستانی اہلحدیث عالم خواتین کے ضعف کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کے سیاسی' تعلیمی' اقتصادی' اخلاقی اور معاشرتی مسائل قابل توجہ نہیں جن پر متوازن انداز میں بات کی جائے؟ کیا محض عبادات سے تزکیہ نفس اور اقامت دین کا فریضہ سرانجام دیا جا سکتا ہے؟

حرم صفائی کے لحاظ سے ایک منفرد اور ممتاز جگہ ہے اور اسے ہونا بھی چاہیے۔اس میں زائرین کی راحت اور خدمت و حفاظت ہے' سعودی سرکار کی نیک نامی اور مشہوری ہے' لیکن حرم سے باہر مکہ کوئی صاف شہر نہیں ہے۔ اکثر بڑی سڑکیں اچھی ہیں مگر پیدل چلنے کے لیے سہولتیں ندارد۔ شہر کا حال

بہت خراب ہے۔ چھوٹی سڑکیں اور ٹوٹی پھوٹی گلیاں' کچرے کے ڈھیر جا بجا' جیسے باقاعدہ صفائی کا رواج نہیں۔ گٹر ابلتے ہوئے' شاپر اڑتے ہوئے' صفائی کرنے والا عملہ اکا دکا نظر آتا ہے اور ان کے نگران کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ سعودیہ میں سپرویژن کے لیے مڈل لیول مینیجر ہر سطح پر موجود ہونے چاہئیں۔ پانی ایک زائر کی اہم ضرورت ہے' لیکن حرم سے باہر کسی جگہ کوئی سبیل یا فلٹر پلانٹ نظر نہیں آتا' چنانچہ پانی کا ایک ایک گھونٹ خرید کر گلے سے نیچے اتارنا پڑتا ہے۔ پانی کا یہ سارا بزنس سعودی کمپنیوں کا ہے' جن کی پیسے کی پیاس کم ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔

بظاہر سعودیہ ایک امیر اور خوشحال ملک ہے' مگر ترقی اور خوشحالی کے مناظر تلاش کرنے پڑتے ہیں۔ نقد کمانے والی ٹیکسیاں اندر باہر سے اچھی حالت میں ہیں' تاہم ہر جگہ ان کا کرایہ ڈرائیور کی مرضی اور موڈ کے مطابق ہوتا ہے۔ میٹر کا استعمال شاید حرام ہے۔ ڈیڑھ کلومیٹر کے لیے ٹیکسی دس سے بیس ریال تک چارج کرتی ہے جبکہ پٹرول آدھا ریال فی لیٹر ہے۔ کسی جگہ سرکار نے زائرین کا تحفظ نہیں کیا' ورنہ میٹر پر سختی کی جاتی یا مختلف فاصلوں کے مطابق فکسڈ کرایے ہوتے۔ ٹریفک پولیس پوچھتی ہے اور نہ کوئی ادارہ چیک کرتا ہے۔ ٹیکسی ڈرائیورز زیادہ تر پاکستانی نظر آتے ہیں جو ٹریفک پولیس سے ڈرتے تو ہیں مگر بے خوفی سے من مانی کرتے ہیں۔ ممکن ہے انہوں نے سعودی ٹریفک پولیس کو پاکستانی رنگ میں رنگ لیا ہو۔ شہر کے اندر زائرین کی رہنمائی کے لیے بڑی زبانوں میں لکھی ہوئی ہدایات نظر نہیں آتیں۔ چنانچہ کوشش کرتے ہیں کہ ہمیشہ ایک لگا بندھا راستہ ہی استعمال کریں۔

شہر میں کئی جگہ ایسی خواتین نظر آتی ہیں جو سر سے پیر تک ڈھکی ہوتی ہیں۔ آنکھوں کے سامنے چھوٹی سی درز' پاؤں پر سیاہ جرابیں' ہاتھوں پر سیاہ دستانے۔ حرم کے اندر سب سے زیادہ پردہ پوش بلکہ نقاب پوش وہ خواتین ہیں جن کا تعلق زنانہ پولیس سے ہے۔ ان کا لہجہ' انداز' چال ڈھال سب سے ہٹ کر ہے۔ ان خواتین پر پنجاب پولیس کی تربیت کا اثر لگتا ہے۔ ان کا کام بھی مشکل ہے' خصوصاً پاکستانی خواتین کو ضابطے کا پابند بنانا۔ طواف کے دوران تمام اقوام اور ممالک کی زائر مستورات کے چہرے' ہاتھ' پاؤں اَن ڈھکے تھے' بجز چند ایک کے' جو غالباً سعودیہ کے کسی متشدد طبقے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی فقہ میں نقاب ضروری ہے' بشرطیکہ چہرے سے مس نہ کرے۔

حرم کے اردگرد طہارت اور وضو کے لیے زیرِ زمین جگہیں بنائی گئی ہیں۔ ایک تو یہاں رش بہت ہوتا ہے' دوسرا لوٹے کا رواج نہیں (جس میں پاکستان خود کفیل ہے)۔ اس کی بجائے ٹونٹی کے ساتھ ربڑ کا لمبا سا پائپ لگا ہوا ہے۔ تمام کموڈ فرشی ہیں' کہیں کہیں بزرگوں یا سینئر شہریوں (کبرالسن) کے لیے نشستی کموڈ بھی موجود ہیں مگر بہت کم۔ لیکن وہاں بھی ربڑ کا مُش یا سعودی شاور ہے جس کی تیز دھار پر کنٹرول مہارت طلب ہے۔ پانی سے کپڑے بچانا اور مشکل۔

حرم کے اندر تعمیر کا کام جاری ہے۔ اس تعمیر کا شور اتنا مخل نہیں ہوتا جتنا بلند و بالا ہوٹلوں کی عمارتیں زائر کی نگاہیں متوجہ کر لیتی ہیں۔ حرم میں اس تعمیر کا ایک ہی مقصد ہے کہ زیادہ سے زیادہ زائر حرم میں سما سکیں' بلا سے وہ صحیح مناجات کر سکیں یا مناسب طور پر نماز ادا کر سکیں یا سکون سے تلاوت یا نوافل پڑھ سکیں۔ وسعت اور کثرت کے لیے زائر کو ہی قیمت چکانا ہوگی۔ تمام تعمیراتی کارکن باوردی اور غیر ملکی مسلمان ہیں۔ کھانا سرکاری' مگر تنخواہ واجبی۔ کوئی سعودی تعمیراتی کام کرتا دکھائی نہیں دیتا۔

مکہ شہر میں توسیع' توڑ پھوڑ کا انداز ہمارے شریف حکمرانوں نے اپنے مستقل میزبانوں بلکہ مہربانوں سے ہی سیکھا ہے۔ لاہور اور راولپنڈی کی میٹرو بس کی تعمیر میں بے تحاشا تخریب ہمارے سامنے ہے۔ مکہ شہر اور اس کی پہاڑیوں اور گھاٹیوں کی اپنی تاریخ' اپنا جمالیاتی حسن اور منفرد ماحولیاتی توازن ہے۔ سعودیوں نے شہری سہولتوں کے لیے جگہ جگہ پہاڑیوں کو کھود ڈالا ہے' قدیم آثار مٹا دیئے اور شہر کا صدیوں پرانا جلال و جمال تہ و بالا کر دیا ہے۔ غالباً کسی کو اعتراض کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہوٹلنگ حرم سے دور بھی ہو سکتی تھی اور آنے جانے کے لیے چینیوں کی طرح کئی منزلہ راہیں بنائی جا سکتی تھیں' مگر ستیاناس ہو امریکی کلچر کا جس کو ماضی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا' اسے صرف آج کی ضرورت اور فوری فائدے سے غرض ہوتی ہے۔

حرم کے اندر تمام تر تحمید و تقدیس' تلاوت و اذکار کے باوجود آواز اذیت ناک نہیں ہوتی' مدھم سی بھنبھناہٹ طاری رہتی ہے جیسے چھتے کے پاس شہد کی مکھیاں۔ حرم کے باہر یا شہر کے اندر صرف بلیاں دکھائی دیتی ہیں' وہ بھی کمزور سی۔ کتّا' کوّا' چڑیا کی جگہ صرف صحت مند کبوتر۔ یہ کبوتر پہلے صرف نعتوں میں اڑتے تھے' اب تقدس سے آراستہ اور موٹاپے کا شکار ہیں۔ کبوتروں سے viral انفیکشن کا خطرہ ہوتا ہے۔ لہٰذا کبوتروں کے بے تحاشا اضافے کو روکنے کے لیے ان کی کاروباری فروخت یا نسلی منصوبہ بندی پر غور کیا جا سکتا ہے۔

طواف کرنے والے زائر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جنہیں عمرہ کے اہم رکن کے طور پر طواف کرنا ہوتا ہے اور دوسرے وہ جو مسجد حرام میں داخل ہونے پر طواف کرتے ہیں۔ طواف خود ایک اہم عبادت ہے۔ طواف کے دوران مرد عورتیں مل کر چکر کاٹتے ہیں۔ جس طرح ایک زائر دورانِ طواف دوسرے زائرین کا خیال رکھتا ہے اسی طرح مرد عورتیں خانہ خدا کی حاضری میں اتنے مگن ہوتے ہیں کہ شیطانی خیالات ان پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ طواف کی یہ منفرد خوبی بلکہ سعادت ہے جو شہوانی آلائش کو دور رکھتی ہے۔ عورتوں مردوں کے لیے الگ الگ راستوں کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

عمرے کا آخری کام قصر یا حلق ہے۔ یعنی سر کے بالوں کو ترشوانا یا پورے سر پر مشین یا استرا پھروانا۔ پاکستانیوں کے لیے استرا ترجیح ہوتی ہے (شاید ملکی حالات کا اثر ہو گیا ہے)۔ بعض افریقی

زائر' خاص طور پر تمام عورتیں مروہ کے مقام پر سر کی ایک لٹ ایک دوسرے کی مدد کر کے کاٹ لیتے ہیں۔ قصر یا حلق کے لیے حرم سے باہر حجام کی دکان پر جانا ہوتا ہے۔ یہ ایک بازار ہے جس کے لیے ایجنٹ احرام پوشوں کو گھیر گھار کر لاتے ہیں اور چند منٹ میں فارغ کر دیتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ تمام حجام محض کاروباری نہیں بلکہ بازاری ہیں۔ یہ زیادہ تر پاکستانی پنجابی ہیں اور دکانوں کے کاری گر ہیں۔ ان کی زبان' ان کا کام' ان کے انداز کسی میں شائستگی یا تہذیب کا شائبہ نہیں ملتا۔ بسم اللہ پڑھنا یا ماحول میں مذہبی سنجیدگی کا اظہار سرے سے مفقود ہے۔ صرف دکان میں ایکٹرسوں کی تصویریں یا ٹی وی نہ تھا' البتہ حکمرانوں کے عکس موجود تھے۔

سعودیہ میں چونکہ موروثی بادشاہت ہے اس لیے ہر کام میں اور ہر جگہ شاہی خاندان کے ممتاز افراد کے ہی نام استعمال ہوتے ہیں۔ یہ بورطریقہ تاریخ میں کبھی دیرپا نہیں رہتا۔ اس کے برعکس اہلِ علم اور اہلِ عزیمت کے نام رکھے جائیں تو وہ ہر دور میں موجود رہیں گے۔ حرمین کا کوئی دروازہ یا محراب کسی اُمّ المؤمنین یا کسی صحابیہ (رضی اللہ عنہن) کے نام سے منسوب نہیں ہے۔ اسی طرح توسیع وتعمیر کے سلسلے میں حرم کی ان پرانی عمارتوں کو ضرور بچانا چاہیے جنہیں پہلے غیر سعودی حکمرانوں نے تعمیر کیا تھا۔ ان حکمرانوں کا جذبہ وشوق' فن تعمیر اور خدمات' ان سب کا تاریخ میں تذکرہ ملتا ہے۔

مکہ اور مدینہ دونوں شہروں کے عام ہوٹلوں میں کھانا نہیں ملتا' زائرین کو بازار کے کھانوں یعنی ریستورانوں سے کھانا پڑتا ہے۔ عام طور پر دونوں شہروں میں جس طرح نرخ یکساں ہیں اسی طرح ہر جگہ کھانے کا ذائقہ اور رنگ روپ بھی یکساں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک بڑی دیگ سے فارمولہ سالن ہر ہوٹل پر فراہم کیا جاتا ہے۔ بریانی کا ذائقہ اور چکن بوٹی کا سائز البتہ جدا جدا ہے مگر اس کے ساتھ نرخ بھی بدل جاتا ہے۔ کھانے والے ہوٹل زیادہ صاف نہیں ہوتے۔ پہلے ادائیگی کی جاتی ہے پھر چٹ پر کھانا ملتا ہے۔ مختلف قوموں کے الگ الگ اپنے کھانے والے ہوٹل بھی ہیں۔ تاہم ہر طرف پاکستانی کھانوں کی بہار نظر آتی ہے۔

سعودیہ میں اکثر غیر ملکی مقامی عربوں کے ملازم ہیں۔ کوئی ڈائریکٹ ملازم اور کاردار کے ماتحت' کوئی ملازموں یا ٹھیکے داروں کے ملازم۔ یہ لوگ خدام تو نہیں ہوتے مگر ورک پرمٹ کی بنا پر کفیل کی bonded labour میں شمار ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے احوال یا اوقاتِ کار زبوں حالی کا شکار ہیں۔ چونکہ ہمارے قومی لیڈر اور بڑے سرکاری ملازم بھکاری ہیں اس لیے وہاں کام کرنے والوں کا کوئی والی وارث نہیں ہے۔ زیادہ مشکل حالات ان عورتوں کے ہیں جو مشرقِ بعید سے سعودیہ میں گھریلو کام کاج کے لیے لائی جاتی ہیں۔ ان پر ظلم وستم کے اکا دکا واقعات کبھی کبھی منظرِ عام پر آجاتے ہیں۔ قدیم دور میں غلام ہوا کرتے تھے جن سے تمام کام لیے جاتے تھے اور بدلے میں

انہیں کچھ نہیں ملتا تھا۔ آج سعودیہ کی تمام شان وشوکت' تعمیر وترقی اور آرام وآسائش ان underpaid ہم مذہب ملازموں کی محنت کا نتیجہ ہے جو بے آرام بھی ہیں اور بے حقوق بھی۔ اسلام تو کجا عام انسانی قدر ومنزلت سے بھی کوسوں دور۔

شاہراہِ ہجرت: پاکستانی ایجنٹ سے زائرین بک کرتے وقت سعودی بیوپاری مکہ اور مدینہ میں قیام کے ایام مقرر کر دیتا ہے۔ زائرین کے قیام اور ان کی نقل وحرکت سعودی اعداد وشمار کے ساتھ منسلک ہوتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حرمین میں آنے جانے والوں کی تعداد حد سے تجاوز نہ کرے۔ خلافِ پروگرام ایک دن کے اضافی قیام کے بعد اگلے روز مدینہ کے لیے مکہ کے ہوٹل کو خیرباد کیا۔ جو بس نصیب میں آئی اس کا ڈرائیور ایک خودمست انڈونیشین نوجوان تھا۔ بس مقررہ وقت سے گھنٹہ بعد چلی اور پھر چلتی گئی۔ ہلتی ہوئی چھوٹی اور تنگ سیٹیں' بس پرانی اور کھٹارہ' مسلسل شور' اے سی قریباً ناکارہ' صحت مند زائر پھنس کر رہ گئے۔ ضعفاء کی کمر اور ٹانگیں جواب دے گئیں۔ طریق الہجرہ (شاہراہِ ہجرت) پر سفر ڈراؤنا خواب بن گیا۔

مکہ اور مدینہ کے درمیان ۴۵۰ کلومیٹر کی مسافت ہے۔ اس اہم اور تاریخی شاہراہ کے مقابلے میں پاکستان کی کورین موٹروے بدجہا بہتر' آرام دہ اور محفوظ ہے۔ اس تاریخی شاہراہ کے جنگلے ٹوٹے ہوئے' کئی جگہ سڑک ناہموار' رنگ وروغن سے عاری۔ کئی گھنٹے کی مسافت کے بعد بس نے ایک منزل پر پڑاؤ کیا۔ یہاں مسجد اور ریسٹورنٹ موجود تھا' مگر ظاہراً ناگفتہ بہ اور گئے گزرے۔ جو مسافر بیت الخلا گئے ان کے لیے نماز ناممکن ہوگئی۔ کئی دنوں کی غلاظت سے اٹے ہوئے بدبودار کموڈ' گٹر بند' یوں جیسے صفائی کا رواج نہیں اور کوئی اس ظلم کو پوچھنے والا نہیں۔ جن کا وضو محفوظ تھا انہوں نے ظہر اور عصر ملا کر پڑھیں۔ کھانا وہی روٹین ذائقے اور شکل والا۔ حیرت ہے کہ دنیا کی یکے از اہم ترین سڑک کی یہ حالت' کھانے کا یہ معیار' صفائی کا یہ عالَم۔ تاحدِ نظر کوئی آبادی نہیں' سارا راستہ پولیس یا سرکار کا کوئی اہلکار نظر نہیں آیا۔ اوپر اللہ' نیچے ڈرائیور' اب اجنبی مسافر کس پر سہارا کرے' کس سے گلہ کرے!

راستے میں کہیں کہیں محدود آبادی کے نشان ورنہ تاحد نگاہ بیابان' خشک ویران' حدت سے پھٹی ہوئی سیاہ چٹانیں۔ نہ چرند نہ پرند۔ کافی فاصلے کے بعد کوئی راستہ موٹروے سے نکل کر دور پہاڑیوں میں گم ہو جاتا۔ اکا دکا اونٹوں کے طویلے۔ راستے میں کئی بسوں نے اوورٹیک کیا۔ بس میں آڈیو سماعت' پینے کے پانی' فرسٹ ایڈ نام کی کوئی عیاشی موجود نہ تھی۔ حسبِ معمول ڈرائیور زبان سے اجنبی اور بیان میں گویا پاکستانی سرکاری ملازم تھا۔ وہ گانے سننے اور تھرموس سے چائے پینے میں محو تھا۔ کسی کو اس سے کچھ کہنے کا یارا نہ تھا۔ مدینہ شہر اب خاصا پھیل چکا ہے۔ مختلف نئی پرانی آبادیوں کو پھلانگتی بس کئی ہوٹلوں پر رکی جہاں وہ دوسرے مسافروں کو اتارتی رہی۔ آخر کار ایک جگہ بس ٹھہری اور مسافروں کو

اترنے اور بس کے تہہ خانے سے اپنا اپنا سامان خود نکالنے کا حکم ملا۔ بس کے نیچے تہہ خانے سے سامان نکالنا بھی ایک مشکل مشق ہے‘ جو اکیلے سرانجام دینا پڑتی ہے۔ اس کا اجرا لگ سے مقدر ہے۔

مدینہ منورہ میں: مدینہ منورہ کے جس ہوٹل میں بکنگ تھی وہاں جانے والے مسافروں سے ابھی کمرے خالی نہ ہو سکے تھے۔ کافی دیر لابی میں انتظار کیا۔ کچھ لمبے سفر کی تھکاوٹ‘ کچھ مسجد نبوی جانے کی عجلت‘ ادھر کمرے مصروف۔ ایک قریبی ہوٹل میں متبادل انتظام ہوا۔ گناہوں کی طرح اپنا اپنا سامان لاد کر کچھ گھسیٹ کر نئی جگہ گئے اور ایک اچھے ہوٹل میں ٹھکانہ ملا۔ پانی‘ بجلی‘ لفٹ مناسب مگر کھانا گرم کرنے اور پکانے کے لیے چولہا ٹھنڈا۔ جیسے تیسے رات گزری۔ اگلے روز حکم ملا کہ سامان اٹھاؤ اور رات والے ہوٹل کو واپس سدھارو۔ چنانچہ پھر ہجرت کی۔ اس پندرہ منزلہ عمارت میں‘ جو بمشکل دس مرلہ پر ایستادہ تھی‘ جس کمرے میں ٹھکانہ ملا وہاں تین کے بجائے سات بستر لگے ہوئے تھے۔ گویا کمرہ ایک بستر ستان تھا‘ لیکن سات افراد کے لیے ایک غسل خانہ بغیر صابن‘ تولیہ‘ چپل‘ ٹوتھ پیسٹ‘ وافر پانی یا لوٹے کے۔ اور ساری عمارت کے لیے ایک لفٹ جو پانچ سے زائد مسافروں کے آنے پر روٹھ جاتی تھی۔ صفائی پاکستانی سطح کی۔ عملہ اور گیس ندارد۔ کمروں کا باہمی اور فرنٹ ڈیسک سے رابطے کے لیے ٹیلی فون غائب۔ یوں لگتا تھا جیسے ایک سرائے میں آ گئے ہیں۔

مدینہ کے کوچہ و بازار بھی مکہ کی طرح مناسب صفائی اور حسن سلیقہ کے منتظر تھے۔ گندگی‘ کچرے کی فراوانی‘ نہ نظر آنے والے فٹ پاتھ‘ سیاہ فام ورکر سڑک کے کنارے گاڑیاں دھوتے تھے۔ مسجد نبوی کے اندر البتہ مکہ جیسی صفائی اور نظافت‘ مصنوعی آرائش و زیبائش‘ منقش در و دیوار‘ رنگ برنگے ستون‘ اے سی‘ بلب اور قمقمے‘ فانوس اور قالین موجود تھے۔ بہت سارے اصحاب خصوصاً پاکستانی فجر سے عشاء تک کا سارا وقت آرام سے مسجد میں گزارتے ہیں۔ سونے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ سعودی تو اپنی ٹانگیں بلا تردّد قبلہ کی طرف پسار لیتے ہیں۔ شیلف دور ہو تو مصحف بلا تکلف فرش پر رکھ دیتے ہیں۔ وہ جگہیں جن کے بارے میں بعض احادیث اور روایات کے مطابق ہزاروں لاکھوں گنا ثواب کی نوید ہے زائرین سے اٹی ہوتی ہیں۔ بندے پہ بندہ۔ اگلے پچھلے تمام حساب چکانے کی لگن۔ ہجوم کے دوران سکون سے نفل ادا کرنا کارے دارد ہوتا ہے‘ گویا سکون سے زیادہ نیکیوں کے کیلکولیٹر پر توجہ ہوتی ہے۔ اسی طرح مزار مبارک کے سامنے سے گزرنے کا راستہ جو جنوب سے شمال کو جاتا ہے‘ زائرین سے پٹا ہوتا ہے۔ پولیس جالیوں کے سامنے رکنے یا جھکنے نہیں دیتی۔ اہل دل جالیوں کے نظارے سے دل کو شاداب اور ایمان کو تازہ کر لیتے ہیں۔ ان کی نم ناک آنکھیں ہی سب کچھ کہہ دیتی ہیں۔ ع

’’تیری خیر ہووے پہرے دارا‘ روضے دی جالی چُم لَین دے!‘‘

مسجد نبوی کا اندرونی پہلا صحن خودکار چھتریوں سے مزین ہے۔ اس سے آگے ریاض الجنّۃ

ہے۔ اس صحن میں چاروں طرف دیواروں پر سنہری حروف میں نام لکھے ہوئے ہیں۔ ناموں کے اندراج میں وہ ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی جو عام طور پر سُنّی مساجد میں دیکھی جاتی ہے‘ یعنی پہلے اللہ‘ محمد ﷺ اور پھر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم۔ اس تفرد کے ساتھ سب سے زیادہ حیران کن تو وہ نام تھے جن کا معروف اور واضح تعلق شیعہ اثنا عشری مذہب سے ہے‘ یعنی دوازدہ ائمہ شیعہ۔ ان ناموں میں حضرات علی‘ حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے علاوہ جناب زین العابدین‘ جناب جعفر‘ جناب نقی‘ جناب تقی‘ جناب باقر‘ جناب حسن عسکری‘ جناب موسیٰ کاظم (رحمہم اللہ) وغیرہ شامل ہیں۔ جس سے بھی اس انکشاف کا ذکر ہوا اُس نے حیرت کا اظہار کیا‘ کیونکہ یہ حضرات صحابی تو کجا اکثر تبع تابعین میں سے بھی نہ تھے۔ ان کے تقدس کی وجہ ان کی وہ امامت ہے جس کی معصومیت‘ ولایت اور تصرف کے شیعہ اصحاب قائل ہیں۔ اگر یہ نام آ سکتے ہیں تو عالم اسلام کے تمام ملکوں سے درجنوں اہل علم اور اہل دل کے اسماء بھی اس اعزاز کے مستحق ٹھہرتے ہیں جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بے لوث اور بے پناہ خدمات سرانجام دی ہیں۔

مسجد نبوی کے باہر چاروں طرف وسیع صحن ہیں۔ ان پر دھوپ اور بارش سے بچاؤ کے لیے چھتریاں لگائی ہیں جو مرکزی کنٹرول سے پھول کی طرح کھلتی اور کلی کی طرح بند ہوتی ہیں۔ بہت سے زائرین ان کے نیچے بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ یہیں خورد و نوش کرتے اور یہیں باجماعت نمازیں ادا کرتے ہیں۔ نماز کے بعد خاص طور پر ظہر عصر کے بعد جگہ جگہ مدینہ یونیورسٹی اور بعض دوسرے اداروں کے طلبہ کے گروپ مسجد نبوی میں نظر آتے ہیں۔ ایک بڑی تعداد حفظ کرنے والے بچوں کی ہوتی ہے۔ کوئی زائر اپنے شوق سے قرآن سنانا چاہے تو معلم کو اس خدمت سے خوشی ہوتی ہے۔

سوموار اور جمعرات والے دن ایسے ہیں جب مدینہ کے لوگ ایک روایت کے تحت روزہ رکھتے ہیں۔ مسجد نبوی میں ان دنوں میں افطاری کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ مغرب کی اذان سے پہلے جگہ جگہ پلاسٹک کے دسترخوان بچھ جاتے ہیں۔ اہلِ ثروت اور ان کے ملازم ڈسپوزل پلیٹوں میں کھجوریں‘ قہوہ‘ خبز (خمیری روٹی) مع مسالہ اور زم زم کے تھرموپور جام رکھ دیتے ہیں۔ ہر کس و ناکس کو شامل ہونے کی دعوت ہوتی ہے‘ کسی کو الگ سے کہنے یا بلانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہمارے ہاں کی طرح کھجور کے تین چار دانے نہیں ہوتے بلکہ آٹھ دس کھجوریں ہوتی ہیں۔ افطاری کے بعد ملازم جھٹ پٹ سامان سمیٹتے ہیں۔ میزبان کے بچے جانے سے پہلے چھوٹے سے ویکیوم کلینر کے ساتھ ذرے بھی چن لیتے ہیں۔ یوں طعام ریزی کے باوجود حرم صاف رہتا ہے۔

مسجد نبوی کی طرف آنے والے تمام راستوں میں دکاندار موجود ہوتے ہیں جو زمین پر چادر بچھا کر یا ریڑھیوں پر رکھ کر آوازیں لگاتے ہیں۔ تمام خوانچہ فروش سیاہ فام عورتیں ہیں‘ سرتاپا ملفوف‘ عربی بولنے والی۔ ان کی رونق اور ان کا شور شرابا ہر نماز کے بعد عروج پر ہوتا ہے۔ خریداری کا ایک فسوں

ہے جس پر شیطان کا بھی تصرف ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر دکاندار کے پاس گاہک ضرور کھڑے ہوتے ہیں اور ہر وقت کچھ نہ کچھ خریدنے میں مصروف ہوتے ہیں۔ پاکستانی زائر ہمیشہ مول تول کرتے ہیں' خاصی بحث کرتے ہیں اور وہ بھی ٹھیٹھ پنجابی میں۔ دکاندار کی زبان پر خمسہ عشرہ ریال کی گردان ہوتی ہے۔ کہیں کہیں دکاندار گاہک سے اس کے پسند کردہ آئٹم واپس کھینچ رہا ہوتا ہے۔ مغرب کے بعد بعض ریڑھیوں والے مسجد کے بیرونی صحن تک آجاتے ہیں۔ باب جبرائیل اور میڈیکل ڈسپنسری کے پاس تو ایک دکاندار ریڑھی پر کھڑا ہوتا ہے۔ وہ کپڑے کے پارچے ہوا میں اچھالتا ہے اور ساتھ پکارتا ہے ''عشرہ ریال' دہ ریال'' اور زائر واقعی ٹوٹے پڑتے ہیں جیسے یہ آخری موقع ہے۔ دکاندار اور خریدار دونوں مسجد نبوی کی حرمت سے بے نیاز۔ دلچسپ یہ کہ خریدار مال دیکھتے ہیں' پسند کرتے ہیں' مگر بیچنے والے کو چوری کا اندیشہ نہیں ہوتا اور ریڑھی بان کو کسی پولیس یا گارڈ کی گرفت کا یا پاکستانی تہہ بازاری جیسا اندیشہ نہیں ہوتا۔

مسجد نبوی کی مغربی جانب امام کے آگے کمرے میں جہاں جنازے کے لیے لائی گئی میتوں کو رکھا جاتا ہے' گاڑی پر عملہ بڑی مستعدی سے کفن پوش میتیں لاتا ہے۔ جنازے کے بعد لواحقین میتوں کو اپنے کندھے پر بقیع لے جاتے ہیں۔ امام کے برابر عمارت کے باہر دونوں جانب سیاہ پتھر سے دہری لکیریں لگی ہوئی ہیں جن سے آگے کھڑا ہونے کی ممانعت تحریر ہے۔ مدینہ کے قدیمی قبرستان کو سعودی حکومت اور شہری ''بقیع'' کہتے ہیں' جبکہ برصغیر کے زائر اسے جنّۃ البقیع کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ عصر کے بعد اس قبرستان میں مَردوں کو جانے کی اجازت ہوتی ہے۔ کچے قبرستان کے چاروں طرف جالیوں کی اونچی باڑھ ہے' اندر ٹیڑھے میڑھے راستے ہیں۔ پلاٹوں کے اندر جو قبریں نظر آتی ہیں وہ حالیہ دور کی ہیں۔ درمیان میں بعض قبروں کی ڈھیریاں ہیں جن کے سرہانے کالے پتھر ڈالے گئے ہیں' غالباً یہ پرانی قبریں ہیں۔ کسی بھی پرانی قبر کے بارے میں کوئی وثوق سے نہیں جانتا کہ کس مرد یا عورت کی ہے۔ حالیہ قبریں مسلسل روز بنتی ہیں کیونکہ یہ مدینہ کے رہائشی لوگوں کا قبرستان ہے۔ قبرستان میں ایک سطح پوری ہوجانے کے بعد نئے سرے سے تدفین کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔ یوں ایک تہہ دار یا کئی منزلہ تازہ قبرستان ہے۔ تازہ قبریں کچی بنائی جاتی ہیں۔ گڑھے کے نیچے دیوار سے مٹی نکال کر میت کو لحد کے اندر رکھا جاتا ہے۔ تدفین کے بعد کچھ لوگ ایک قبر پر دعا مانگ رہے تھے۔ پرانی قبروں پر کسی کو پھول پھینکتے یا دعا کرتے نہیں دیکھا۔ ایک دو احاطوں میں زائر دانہ ڈالتے رہتے ہیں جنہیں چگنے کبوتر آجاتے ہیں۔ شیعہ حضرات سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مزعومہ قبر پر دبے دبے گریہ وزاری کرتے ہیں۔ بقیع کے باہر اردو' انگریزی اور فارسی میں شجرہ نسب کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ صحابہؓ خصوصاً اصحابِ اربعہؓ اور اہل بیت میں کتنی قریبی رشتہ داریاں تھیں۔ مختلف زبانوں میں پمفلٹ دیے

جاتے ہیں تاکہ لوگ بقیع کے آداب زیارت سے واقف ہوں' قبر کو قبر ہی جانیں اور اس سے عبرت کے سوا کچھ اور توقع نہ رکھیں۔

باب فہد کے بالمقابل بیرونی صحن کے ساتھ ایک Roadshow Exhibition بنائی گئی ہے۔ اس میں روشنی اور خاکوں کی مدد سے نبی ﷺ کی حیات طیبہ کے مختلف مدارج دکھائے گئے ہیں۔ ہر تصویر کے ساتھ عربی اور انگریزی میں معلومات مندرج ہیں جن کا مآخذ بخاری اور مسلم کی کتابیں ہیں۔ قدیم مدینہ کی عمارات کی حد تک تصوراتی تجسیم بھی ہے۔ غزوۂ بدر میں انسانی سائے دکھائے گئے ہیں۔ عہدِ نبویؐ کے علاوہ خلفائے راشدین اور دیگر ادوار کی عکاسی نامکمل ہے۔ شاید اس لیے کہ صحیحین میں ان کے بارے میں روایات موجود نہیں ہیں۔ نبی ﷺ کی شخصیت اور کردار کی وضاحت کرتے ہوئے چند ایسی چیزیں بھی آگئی ہیں جو نظر ثانی کی متقاضی ہیں۔

بابِ فہد کے ساتھ ہی کافی بلندی پر جامعہ مدینہ سے منسلک مکتبہ مسجد نبوی واقع ہے۔ accelator کے ذریعے اوپر جایا جاتا ہے۔ ایک خوبصورت' آرام دہ اور جدید سہولتوں سے آراستہ مگر صرف عربی کتابوں کی محدود لائبریری۔ یہاں پر تو دنیا کی تمام زبانوں میں سیرت پر چھپنے والی کتابوں اور تحریروں اور سی ڈیز وغیرہ کا مجموعہ ہونا چاہیے اور زائرین کو سیرت کی کتابوں اور رسالوں سے استفادہ کرنے کی بلا معاوضہ سہولت حاصل ہونی چاہیے۔ نعت اسلامی ادب کی اعلیٰ ترین صنف ہے جس کے ظہور و اظہار کے لیے یہاں سے بہتر جگہ کیا ہوسکتی ہے؟

مدینہ شہر میں بھی زائرین کے پینے کے پانی کی مفت فراہمی کے لیے کہیں فلٹر واٹر پلانٹ نہیں ہے۔ یہاں بھی ''ریال دو اور پیاس بجھاؤ'' کا فارمولا رائج ہے۔ مختلف زبانوں میں عام ہدایات اور Direction Guides کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

حرم کعبہ اور حرم نبوی ﷺ دونوں مساجد میں یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ زائر بلا روک مسلسل نوافل ادا اور طواف کرتے رہتے ہیں۔ جگہ جگہ آویزاں برقی گھڑیوں پر مختلف نماز کے اوقات تو نظر آتے ہیں مگر کسی جگہ وقت زوال کا اندراج نہیں ہے۔ اس بے خبری کے نتیجے میں بعض لوگ ہمہ وقت نوافل پڑھتے پائے جاتے ہیں۔

بازار میں جو سامان دستیاب ہے وہ بڑی وافر مقدار میں ہے اور چائنا کا ہے یا سعودی اور عرب ممالک کا۔ مصنوعات میں پاکستان کسی جگہ نظر نہیں آتا۔ سعودی پروڈکٹس میں ہر قسم کی ڈیری' پولٹری' پلاسٹک' خبز یات' مشروبات' لحمیات' کاسمیٹک' سبزیات وغیرہ شامل ہیں۔ حرمین میں آب زم زم کے پلاسٹک کے ڈرم اور پانی پینے والے تھرموپور گلاس بھی سعودیہ کے ساختہ ہیں۔ غلافِ کعبہ بھی مقامی طور پر تیار ہوتا ہے۔ سعودی ساختہ مصنوعات کا معیار اچھا ہے اگر وہ واقعی مقامی طور پر تیار کی گئی

ہیں۔ خوردنی اشیاء پر اس کے اجزاء' تاریخ تیاری اور تاریخ اختتام درج ہوتی ہیں۔ دکانوں اور بازاروں میں سعودی باشندے نظر نہیں آتے' وہ حرم میں پائے جاتے ہیں یا اپنے گھروں میں۔ ان کو دکانوں کا معقول کرایہ مل جاتا ہے۔ نئے قوانین کے تحت غیر ملکیوں کو اپنے ہر کاروبار میں سعودی باشندے کو شریک بنانا ضروری ہے۔ چونکہ مزاجاً سعودی آرام طلب اور سہل کوش ہیں' وہ محنت سے جی چراتے ہیں اور دن بھر قہوہ' کھجوروں اور سمعی و بصری تفریحات سے اپنا جی بہلاتے ہیں' اس لیے غیر ملکی شراکت دار انہیں آنے کی زحمت سے بچانے کے لیے ان کا ماہانہ بھتہ ان کو پہنچا دیتے ہیں۔ دکانوں پر ہر جگہ ایسے سعودی حلیہ لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے جو اصل میں پاکستان کے کسی حصہ سے تعلق رکھتے ہیں اور روزمرہ کی عربی روانی سے بولتے ہیں۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی دونوں میں دیواروں' ستونوں اور چھتوں پر رنگ دار گل کاری کی گئی ہے۔ غور سے دیکھیں تو ان بیل بوٹوں میں کوئی پیغام یا آفاقی صداقت نقش نہیں کی گئی ہے' جیسے نیم خواندہ نقاش کے ذہن میں جو خیال آیا اور اس نے ایک خیالی پھول گھڑ دیا۔ زائرین ان نقش و نگار کو بار بار دیکھتے ہیں۔ جگہ کی اہمیت کے اعتبار سے ممکن ہوتا تو موئے قلم کے ذریعے توحید' رسالت اور معاد کے فکر کو اُجاگر کیا جاتا۔ عیسائیت تثلیث کو اپنے تمدن کے مظاہر میں سموئے رکھتی ہے' برش سے بھی اور ہتھوڑے سے بھی۔ ہمارے دین کے مظاہر تو آفاق و انفس میں عیاں ہیں۔

سعودیہ میں شرعی پولیس کا محکمہ موجود ہے مگر بجز ایک جگہ کے کہیں بھی اسے متحرک نہیں پایا۔ حرم کے اندر سیاہ پوش زنانہ پولیس زائر مستورات کی آمد و رفت کو کنٹرول کرتی ہے۔ شہروں کے اندر زائر بے رحم غیر ملکی ملازموں اور سخت دل سعودیوں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ اگر سعودی پولیس کی کوئی سپیشل فورس بنائی جائے جو زائرین کی تکالیف اور مشکلات کو سن لے اور موقع پر ازالہ کر دے تو حالات بہتر ہو جائیں۔ اب کسی عام ہوٹل' دکان' بس' اڈے' ٹیکسی' سڑک غرض کہیں بھی کوئی مشکل پیش آئے تو کوئی آپ کی سننے والا نہیں ہے۔ کسی طرح عام پولیس سے رابطہ ہو جائے تو ان کو اردو اور انگریزی میں سمجھانا ممکن نہیں ہوتا۔ خصوصاً نیم خواندہ پاکستانی اور دیگر ممالک کے زائرین کی مدد اور رہنمائی کے لیے خصوصی help line اور خصوصی پولیس ضروری ہے۔ یہ پولیس سائل مسئول' طالب مطلوب اور مسافر و مقیم کے معاملات کو سپروائز کرے۔ ممکن ہو تو جگہ جگہ ایسے بوتھ یا کوسک بنانے چاہئیں جہاں سے زائرین کو رہنمائی اور مدد مل سکے۔

مکہ تو آج کبوتروں' اونچے ہوٹلوں اور بلند ٹاوروں کا شہر بن کر رہ گیا ہے۔ حرم کے اندر رات کو مکڑی اور ٹڈوں کی کثرت ہوتی ہے جو مارے نہیں جا سکتے' پاؤں میں روندے جاتے ہیں۔ برآمدوں میں ابابیلوں کا ڈیرا ہے' ان کے گھونسلے موجود ہیں' مگر کبھی کوئی ابابیل پنکھوں کے پروں سے نہیں

ٹکراتی۔ چونکہ دانہ دنکا کثرت سے باہر ملتا ہے' اس لیے کبوتروں کا ڈیرہ حرم سے باہر نظر آتا ہے۔ ان کبوتروں کی خوراک میں پاکستانی عورتیں جو کے دانے چنتی نظر آتی ہیں۔ ان کے خیال میں یہ دانے اولاد کی نعمت سے سرفراز کر سکتے ہیں!

مدینہ میں باب جبرائیل کے سامنے ڈسپنسری ہے جو نماز کے اوقات کے بعد کھلتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اردو سے نابلد تھے۔ وہاں موجود دوائیں کسی ملک کا عطیہ تھیں اور معیاری لگتی تھیں۔ تیس سیکنڈ میں مریض فارغ ہو رہا تھا' جبکہ باہر لمبی قطار تھی' مرد الگ اور عورتیں الگ۔ ایک چھپا ہوا فارم تھا جس میں شکایات اور ممکنہ دوائیں لکھی ہوئی تھیں۔ مریض کا نام اور عمر وغیرہ کا خانہ خالی رہتا' صرف تکلیف کی سطر پر اور اس کی لکھی ہوئی دوا پر ڈاکٹر صاحب ٹک کرتے تھے۔ ساتھ ڈسپنسری سے دوا مل جاتی تھی۔ ایسی ڈسپنسریاں جگہ جگہ ہونی چاہئیں' خصوصاً بڑے دروازوں کے آس پاس۔ سعودیہ میں دوائیں خاصی مہنگی ہیں مگر پاکستان کی طرح ڈرگ سٹور سے بلا روک مل جاتی ہیں۔

مکہ مسلمانوں کے لیے توحید' وحدت اور اتحاد کا مظہر ہے۔ یہاں ایک میوزیم یا مرکز کی ضرورت ہے جس میں ایک طرف مختلف زبانوں میں اسلامی کتابوں اور کیلی گرافی کا ذخیرہ ہو اور دوسری طرف عالمِ اسلام کے تمدنی' تہذیبی اور علمی سرمائے کے نمونے اکٹھے ہوں' مثلاً تعمیرات' ملبوسات' سکے' ظروف' آلاتِ حرب' جن سے قربت کے علاوہ باہمی تعارف میں بھی مدد ملے گی۔

مدینہ میں جمعہ کا خطبہ قدرے طویل تھا۔ تفصیلات' اردو زبان میں ہندوستان کے ایک اہلِ حدیث عالم نے ایک منبر کے ذریعے بتائیں۔ مکہ میں جمعہ کا خطبہ بہت مختصر تھا۔ ساتھ میں کوئی تقریر یا توضیح نہ تھی۔ اردو ترجمہ کا بھی کوئی انتظام نہیں تھا۔ جماعت کے بعد دونوں مساجد میں امام نے دعا نہیں کی۔

مکہ میں ایک منبر کے خطیب نے راقم کو احرام کی چادر پر ہمیانی نما بیلٹ باندھے دیکھا تو اسے دور سے حرام حرام قرار دیا۔ دلچسپ بات یہ کہ لفظ حرام سعودی غالباً ناجائز یا ممنوع کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ لفظ شدت بلکہ کلی ممانعت کا اظہار کرتا ہے۔ پاکستانی اور غیر ملکی زائرین غالباً تمام کے تمام بیلٹ احرام کے اوپر ہی باندھے ہوئے تھے۔ زیادہ تر اس لیے کہ ان کی دھوتیاں کمر پر ٹکی رہیں۔

زائرین خصوصاً پاکستان سے آنے والے مستعمرین کی ایک معقول تعداد ایسی بھی ہوتی ہے جو بار بار عمرہ کرنے آتی ہے۔ لیکن عمرہ کی یہ تکرار بھی ان کے اندر دین کے تقاضے اور داعیے بیدار نہیں کرتی۔ وطن سے روانگی' دورانِ سفر' حرم کے اندر' حرم کے باہر' کوچہ و بازار' ہوٹل اور دکان غرض کسی بھی جگہ زائرین کی معلومات اور تربیت کے لیے کوئی اہتمام نظر نہیں آتا' نہ معلموں کا اور نہ ان کے ایجنٹس کا' نہ حکومتوں کی طرف سے اور نہ علماء کی جانب سے۔ حرم کے اندر اور مسجد نبوی کے باہر کبھی کبھی اردو

کے چند پمفلٹ ملتے ہیں جو ناکافی ہیں۔ مسجد کے اندر کوئی منبر یا مصلّٰی ایسا نہیں ہے جہاں زائر اپنی زبان میں عمرہ کا مقصد جان سکے اور اپنی زندگیوں میں کوئی نظر آنے والی تبدیلی پیدا کر سکے۔

عمرے کا سفر' مشقت' محنت اور تھکاوٹ میں حج سے چند ہی درجے کم ہوتا ہے' خصوصاً جب مسجد حرام میں داخل ہوتے وقت فوراً طواف کی کوشش کی جائے اور حرم میں قیام دن رات کی کئی نمازوں پر محیط ہو۔ اس صورت میں تھکاوٹ' بھوک' کمزوری اور بچوں کی یاد خصوصاً جب وہ چھوٹے یا dependent ہوں' بہت صبر آزما اور ہمت والا کام بن جاتا ہے۔ اس عزیمت سے ظاہر ہے اجر بھی کئی گنا اور صلہ بھی بے انتہا ہوگا۔ حرم کا کیف ایک سحر ہے۔ گویا ایک آسمانی طاقت ہے جو ہر جذباتی پست و بالا کو ہموار بنا دیتی ہے۔ سفر کے دوران صبر' حوصلہ' برداشت' ہمدردی' ایثار ضروری ہیں۔ گروپ میں مزاج اور موڈ پر کنٹرول کرنا ہوتا ہے اور دوسرے ساتھیوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

مکہ مدینہ میں مغربی تہذیب کا ایک اثر یہ دیکھنے میں آیا کہ کھانے کی ایک بہت بڑی مقدار فالتو بچ جاتی ہے۔ اسے فراخدلی سے کوڑے دان کی نذر کر دیا جاتا ہے۔ روٹیاں سالم کی سالم کچرے کی نذر ہوتی ہیں۔ اوّل تو خریدار سے پوچھ کر کم سائز یا کم مقدار میں روٹی بیچنی چاہیے۔ دوم جو بچ جائے اس کے لیے مختلف رنگ کے ڈسپوزل پلاسٹک بیگ ہوں تاکہ ان کو بہتر مصرف میں لایا جا سکے۔ اس طرح جنگلی کبوتروں کی خدمت کے لیے گندم' جو' باجرہ' چاول اور دالوں کی کثیر مقدار ضائع ہوتی ہے۔ شہر کے کبوتر اناج کھا کھا کر پاکستان کی تاجر اشرافیہ کی طرح نظر آتے ہیں۔

سعودیہ میں صدقہ و خیرات کو جمع کرنے اور مستحقین میں بانٹنے کا کوئی انتظام نظر نہیں آیا۔ ایران اس کام میں بہت مستعد ہے جہاں ملک کے تمام شہروں میں جگہ جگہ آہنی صندوق رکھے گئے ہیں اور زائرین نقد عطیات مجہول قسم کے فقراء کو دینے یا کبوتروں کو بانٹنے کی بجائے سرکار کے حوالے کر دیتے ہیں۔ سرکار اپنے نظام کے تحت انہیں مختلف مصارف پر خرچ کرتی ہے۔ کسی مسافر کا سامان گم ہو جائے' زادِ راہ کم پڑ جائے' شدید بیماری لاحق ہو جائے تو اس کی مدد اس فنڈ سے کی جا سکتی ہے۔ واٹر پلانٹ اور مفت کھانے کا لنگر چلایا جا سکتا ہے۔ بھیک کا یہ عالم ہے کہ طواف کے دوران ایک کالا معذور ہجوم کے درمیان فرش پر گھسٹ رہا تھا۔ طواف کرنے والے بجائے اذکار کے اس پر ریالوں کی بارش کر رہے تھے۔ حالت یہ تھی کہ بھکاری کی جیبیں بھر بھر جاتی تھیں۔ قریب میں موجود اس کا کوئی ملازم انہیں خالی کر لیتا تاکہ دادودہش کو جگہ کی قلت نہ پیش آئے۔ پاکستانی زائر بوجہ غربت حرم کے اندر اور باہر خوردنی اشیاء ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ ایسے تمام مستحقین کے طعام و قیام' واپسی ٹکٹ' نقد امداد اور دیگر ضروریات کے لیے صرف انتظام کی ضرورت ہے' دینے والے ہاتھ لاتعداد۔

خانہ کعبہ میں لاؤڈ سپیکر کا نہایت اعلیٰ انتظام ہے۔ کسی بھی نماز کے بعد سعودی دعا نہیں مانگتے۔

یہ کام وہ نماز پر چھوڑ دیتے ہیں جو خود سراپا دعا ہے۔ ہمارے ہاں اتنی لمبی دعا مانگی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو اتنی بار پکار پکار کر یاد دلایا جاتا ہے کہ ہاتھ تھک جاتے ہیں اور دماغ اخباری خبروں اور ذاتی ضروریات کی طرف بھٹک جاتا ہے۔

ہر نماز کے بعد دونوں مساجد میں فوت شدگان کے اکٹھے جنازے پڑھے جاتے ہیں۔ کسی بھی جگہ مسجد یا دورانِ جنازہ یا قبرستان میں ''کلمہ شہادت'' کا نعرہ نہیں سنا۔ عرب خاص طور پر صلوٰۃ جنازہ اہتمام سے ادا کرتے ہیں۔ جنازہ کے بعد فاتحہ پڑھنے کا رواج نہیں ہے' بلکہ نماز جنازہ کے بعد الگ سے دعا نہیں مانگتے۔ وجہ یہ ہے کہ نماز جنازہ ہے ہی ساری کی ساری دعائے مغفرت۔

مسجد نبوی میں اللہ' اللہ اکبر' کلمہ طیبہ اور آیات نہایت کثرت سے تحریر ہیں۔ بعض جگہوں پر صحابہ کرامؓ کے نام ہیں' لیکن تمام عمارات پر آل سعود کے ناموں کا قبضہ ہے' حالانکہ تیل دھرتی کا ہے' ملک عوام کا ہے اور گھر تو ہے ہی اللہ کا۔ مصحف کے تمام نسخوں پر لازماً آلِ سعود ہی کا نام درج ہوتا ہے۔ سرکاری مکتبے میں پاکستان کے اہلِ حدیث علماء کی اردو کتابیں ہیں' باقی مسالک کے علماء اس اعزاز سے محروم ہیں۔

حرم سے دور شہر میں کئی چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہیں جن کا ڈیزائن ملتا جلتا ہے۔ لوگ ان میں نمازیں پڑھتے ہیں باقاعدہ اذان اور جماعت ہوتی ہے۔ تمام مساجد سرکاری کنٹرول میں ہیں۔ ایک مسجد میں جانے کی کوشش کی تو چوکیدار نے روک دیا کہ نماز کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اندر ابھی لوگ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ مسجد اندر سے سادہ مگر آرام دہ نظر آئی۔

کوئی نماز پڑھ رہا ہے' قیام میں ہے یا حالتِ سجدہ میں' حرم کے اندر آگے سے گذرنے یا پھلانگنے میں کوئی ممانعت یا رکاوٹ نہیں ہوتی۔ حرم کے اندر جماعت کھڑی ہو چکی ہوتی ہے اور زائر سامنے سے گزر کر جگہ تلاش کر رہے ہوتے ہیں' کیونکہ ''سترہ'' حرم میں موقوف (suspend) ہو جاتا ہے۔ تاہم ایک متشدد طبقہ ایسا بھی ہے جو اپنے سامنے سے گزرنے پر حالت نماز میں شمشیر بکف ہو جاتا ہے' یعنی آپ گزر رہے ہیں تو اچانک ایک مضبوط بازو پوری لمبائی اور توانائی کے ساتھ سدِ راہ بن جاتا ہے۔ سعودی اس امر کا اہتمام کرتے ہیں کہ دورانِ جماعت صفوں کے درمیان جگہ خالی نہ رہ جائے۔ ایک پاکستانی عشاء کی نماز کی نیت باندھ چکا تھا کہ ایک سعودی نے اگلی صف کی جگہ پُر کرنے کے لیے اسے بار بار اپنے ہاتھ سے آگے دھکیلا۔ یہاں تک کہ پاکستانی نے ہار مان لی اور ہاتھ باندھے چلتا ہوا آگے چلا گیا۔ پچھلی صف سے ایک سعودی ہاتھ باندھے ہوئے چلتا ہوا اس کی خالی کی ہوئی جگہ پر پہنچ گیا۔

پاکستانی ایک سادہ دل مگر رنگ باز قوم ہے۔ نیکی کے ہر کام میں اس کی نیت اچھی ہوتی ہے مگر

اس کام کے طریقے اور کرنے کے انداز راستے سے ہٹتے چلے جاتے ہیں۔ عمرہ اور حج پر جانے کے لیے وہ جھوٹ‘ فریب اور چکر سب کچھ روا رکھتے ہیں۔ نامحرم خواتین کے فرضی محرم بھی بن جاتے ہیں۔ انہیں حجاز کے سفر پر جانے سے پہلے تعلیم و تربیت اور ہدایت و رہنمائی کی اشد ضرورت ہے۔ یہ کام تو علماء کا ہے مگر وہ خود فقہی اسالیب کے پابند اور اپنے مقتدیوں کی خوشنودی کو مقدم رکھتے ہیں۔ پاکستانی اسلام یا پاکستانی مسلمان کے چند مناظر ملاحظہ ہوں:

☆ خانہ کعبہ میں ایک صاحب نماز پڑھ رہے تھے اور انہوں نے اپنا رخ مغرب کی طرف کر رکھا تھا۔ یوں ان کا چہرہ بطرف خانہ کعبہ نہیں تھا بلکہ اس سے نوے (۹۰) درجے ہٹ کر تھا۔ ایک خادم کے بتانے پر راقم نے انہیں توجہ دلائی۔

☆ ایک صاحب حرم کے اندر پوچھ رہے تھے کہ خانہ کعبہ کتھے وے؟

☆ بقیع سے تدفین دیکھ کر لوٹ رہا تھا۔ آگے ایک معزز نما ٹوپی پوش جا رہے تھے۔ وہ صاحب اچانک یوں نیچے جھکے جیسے اپنے جوتے کو درست کرنے لگے ہوں۔ انہوں نے جلدی سے قبرستان سے چند پتھر اٹھائے اور جھٹ سے واسکٹ کی جیب میں ڈال لیے اور چل دیے۔

☆ مسجد نبوی میں افطاری کے لیے مخیّر لوگ دسترخوان بچھاتے ہیں۔ کھانے کے بعد کھجوریں‘ قہوہ اور خبز بچ جاتے ہیں۔ کارکن بعد میں افطاری کرتے ہیں۔ ایک ہم وطن جس کے پاس پہلے ہی کھجوریں اور خبز وافر مقدار میں جمع تھیں کارکن کے گرد ہو گیا۔ کارکن نے قدرے توقف کے بعد دونوں اشیاء کے تو بڑے سامنے کر دیے۔ حیرت کہ ہمارے مسافر نے جی بھر کر چیزیں نکالیں اور بطور احسان تھوڑی مقدار ان کے حوالے کی۔ گھر اللہ کا‘ ہمسائیگی روضہ رسول ﷺ کی‘ میزبان کوئی اور۔ بے تکلفی کے کیا کہنے!

☆ زم زم پینے کا انتظام تو حرمین کے اندر بہت اعلیٰ اور وسیع پیمانے پر ہے۔ بڑے دروازوں کے باہر بھی زم زم کی ٹونٹیاں لگی ہوئی ہیں‘ لیکن وہاں سے بڑے کین اور بڑی بوتلوں کو تنگ دھار ٹونٹی سے بھرنا صرف ہمارے ہم وطن ہی کر سکتے ہیں۔

☆ اگرچہ مکہ و مدینہ کی مساجد میں بہت سارے واجبات اور مستحبات ایسے ہوتے ہیں جن سے پاکستان کے حنفی خصوصاً دیوبندی‘ بریلوی مانوس نہیں ہیں۔ بعض عمل ہمارے ہاں اضافی کیے جاتے ہیں‘ لیکن کسی پاکستانی کو جماعت سے الگ نماز پڑھتے‘ مرضی کے اعمال بجا لاتے یا اپنا مجرّب وظیفہ یا آوردہ مصحف پڑھتے نہیں دیکھا۔ یہ ایک اچھی بات ہے کہ کہیں تو ہم قانون کی پاسداری کرتے ہیں۔ اللہ کا نہیں تو سعودی شرطے کا ہی لحاظ کرتے ہیں۔

☆ چار بزرگ دیہاتی زائرین کا گروپ نظر آیا جن کے بستروں کے ساتھ پلاسٹک کے لوٹے مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے اور کاغذات ان کی دھوتیوں کی ڈابوں میں۔

☆ دھوتی ایک باعزت پہناوا ہے۔ بہت سی قومیں تہبند باندھتی ہیں۔ پاکستانیوں کو صرف اتنی ہدایت درکار ہے کہ اسے باپردہ باندھیں۔

☆ کئی دیواروں پر ہاتھ کی فوٹو نقل اور بعض جگہوں پر اردو میں اشتہار چسپاں دیکھے۔ بعض پر کسی بزرگ کی تصویر بھی ہوتی تھی۔ منہ کھلا ہوا‘ آنکھیں بند یا موٹا شیشہ‘ ہڈیوں کا ڈھانچہ‘ چادر گھٹنوں تک۔ یہ تلاش گمشدہ ہے اور سب کے سب ارض پاک کے مہمان ہیں۔ ایسے ضعیفوں کی حفاظت کا بہتر انتظام بھی کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ کام وزارت حج کا ہے اور بکنگ کرنے والے پاکستانی اور سعودی سفری ایجنٹوں کا کہ مہمان کو گم نہ ہونے دیں ورنہ گمشدگی سے بچنے کے لیے مکمل شناخت کا انتظام کریں۔

ہوٹل کی دیوار پر کسی ٹریول ایجنٹ نے اپنا نمبر چسپاں کر رکھا تھا کہ مکہ مکرمہ کی زیارات کریں۔ چنانچہ اس سے رابطہ ہوا اور دس ریال فی زائر کے حساب سے ٹورطے ہوا۔ اس طرح تھوڑے وقت کے لیے احد‘ بدر‘ قبلتین‘ قبا‘ ثور‘ حرا اور مقاماتِ حج (عرفات‘ مزدلفہ‘ منیٰ‘ جبلِ رحمت وغیرہ) دیکھنے کا موقع ملا۔ ٹور گائیڈ کوئی سرائیکی نوجوان تھا جو حالات و واقعات میں اپنی روایات اور اپنے جذبات بھی شامل کر رہا تھا۔ اسے ٹوکنا پڑا کہ خود ساختہ باتوں کو عبادت اور زیارت کا حصہ نہ بنائے۔ جگہ جگہ زائرین کے جھنڈ نظر آتے ہیں جو ہر چیز کو عقیدت اور محبت سے دیکھتے ہیں اور اپنے آئینہ دل میں بسا لیتے ہیں۔ جبل رحمت کے دامن میں ترک زائرین کا گائیڈ کوئی واعظ تھا جو پوری طرح اپنے سامعین کو مسحور کیے ہوئے تھا۔ گو تمام مقامات ان ایام میں ویران اور بے آباد نظر آتے ہیں تاہم زائرین کے لیے بیٹھنے کی کوئی جگہ‘ پینے کا پانی یا واش روم موجود نہیں ہیں۔ احد کے پاس غسل خانہ ڈھونڈنا پڑا۔ ایک مسجد کو تاڑا کہ وہاں سہولت مل جائے گی مگر وہ مقفّل تھی اور کوئی ملازم پاس موجود نہ تھا۔ جب ایک سرکاری غسل خانہ ملا تو اس کی غلاظت‘ بدبو اور ناکاری نے پسپائی پر مجبور کر دیا۔ صفائی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ گٹر ابل رہے تھے۔ نزدیک کوئی سپروائزر یا عملہ موجود نہ تھا۔ راستے میں گائیڈ نے بتایا کہ آج کل ایک نئی جگہ دریافت ہوئی ہے جسے وادیٔ جن کہتے ہیں۔ وہاں گاڑی انجن چلائے اور گیئر لگائے بغیر خود ہی رواں ہو جاتی ہے۔ اسی کے مطابق سعودی خوش تھے کہ انہیں کمائی کے لیے ایک اور SITE مل گئی ہے۔ اس عجیب مظاہرے کی حقیقت کیا ہے‘ اس کی تحقیق کے لیے اگلے عمرے کا انتظار کرنا پڑے گا۔

حرم کے اندر حکومت نے ایک ''شعبہ ارشاد'' بنایا ہے۔ فون پر یا ذاتی رابطے کے ذریعے مذہبی مسائل کا حل پوچھا جا سکتا ہے۔ باب عبدالعزیز کے اندر دونوں طرف متعدد فون لٹکے ہوئے ہیں۔ میں نے بارہا ٹرائی کی‘ صرف ایک بار عربی میں جواب ملا۔ جب دونوں طرف نا سمجھی ہی زبان ٹھہری تو مزید کیا ستم ڈھاتے۔ ایک روز حرم میں غلطی سے کسی اور راستے سے نکلتے ہوئے اتفاقاً شعبہ کا دفتر مل گیا۔ وہاں عقال پوش سیاہ ریش نوجوان سے بات ہوئی تو وہ اردو انگریزی سے نابلد تھے۔ تاہم میری

درخواست پر ایک صاحب سے ملوایا جو انگریزی بول سکتے تھے۔ راقم نے ان سے دوسرے تیسرے عمرے میں حلق کا مسئلہ پوچھا۔ پانچوں نمازوں میں فرضوں کے علاوہ کتنی رکعات مزید پڑھنی درکار ہے؟ اثنائے گفتگو میں نے حنفی معمول کا بتانا چاہا تو کہنے لگے ''میں آپ کو حدیث کے مطابق نوافل بتا رہا ہوں' آپ فقہ حنفی کی بات کر رہے ہیں۔'' انہیں بتا نہ سکا کہ فقہ حنفی کی اساس بھی تو احادیث پر مبنی ہے' ائمہ فقہاء اپنے پاس سے تو نہیں کہہ رہے۔ یہ اندازِ فکر حرمین کے علماء میں عام ہے' جیسے ان کے پاس جو معلومات ہیں وہی صحیح منابع سے ہیں۔ حالانکہ حرم میں ہر مسلمان اپنے علم اور فہم کے مطابق تو اسلامی ہدایات اور احکامات پر ہی عمل کرتا ہے۔ عبادات اور اعمال و اذکار کے یہ طریقے زائر اپنے وطن میں اپنے علماء سے ہی سیکھ کر آتا ہے۔

سعودیہ کے سفر سعادت کی کیفیات اور واردات ناقابل بیان ہوتی ہیں۔ یہ ایک روحانی سفر ہے۔ ایک فرد کا اپنے رب اور رسول ﷺ اور ان کے ساتھ محبت و عقیدت کا معاملہ ہے' اسے شیئر نہیں کیا جا سکتا۔ سفر میں قیام و طعام کی مشکلات کو کسی حد تک برداشت کیا جا سکتا ہے حالانکہ اب یہ ایک کاروباری معاملہ ہے۔ ہم ادا کرتے ہیں اور تاجر ایجنٹوں سے اپنی حلال کی کمائی کے بدلے طے شدہ سہولیات چاہتے ہیں۔ مگر جو ذلت اور رسوائی سعودی عرب سے لوٹتے وقت جدہ ائیر پورٹ پر ہوئی وہ سعودی حاکموں کے حضور سجدہ ریز پاکستانی حکمرانوں اور ہمارے ملازم سفارت کاروں کی بے حسی اور بدعملی سے شدید ہو جاتی ہے۔ جیسے پاکستانی کسی آزاد مسلم ملک کے باشندے نہیں ہیں۔ جیسے وہ سفر پر اپنا خرچ نہیں کرتے' سعودیہ کی خیرات پر پلتے ہیں۔ جیسے پاکستانیوں کا کوئی والی وارث یا غیرت مند لیڈر نہیں ہے۔

پی آئی اے کی واپسی کی فلائٹ رات دس بجے کی تھی۔ زائرین زم زم اور کھجوروں کے سامان سے لدے پھندے بروقت ائیر پورٹ پہنچے اور تھوڑے وقت میں امیگریشن سے فارغ ہو گئے۔ اگلا مرحلہ کسٹم کلیرنس اور سامان کی سکریننگ کا تھا۔ زائر سعودی عرب کے دو مقدر شہروں کی زیارات اور وہاں عبادات کے بعد لوٹ رہے تھے۔ ان کے سامان میں زم زم اور کھجوروں کے علاوہ پلاسٹک کے کھلونے' تسبیحیں اور پرفیوم ہی ہو سکتے تھے' منشیات یا اسلحہ تو نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر وہاں ایک لمبی لائن تھی چیک ہونے والے کی۔ ایک مَردوں کی دوسری عورتوں کی۔ دونوں قطاروں میں عورتیں اور بزرگ زیادہ تھے۔ یہ سب کئی گھنٹے مسلسل کھڑے رہے۔ لائن دھیرے دھیرے آگے کھسکتی رہی۔ ہال کے اندر سامان کی سکریننگ مشینیں تھیں جنہیں بنگلہ دیشی ملازم چلا رہے تھے۔ ان کے اوپر دو باوردی سعودی نوجوان تھے جو افسرانہ طمطراق کے ساتھ کرسیوں پر براجمان تھے اور بے بسی اور بے عزتی کے پاکستانی مناظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بنگلہ دیشی ملازموں کا رویہ حد درجہ ہتک آمیز' گستاخانہ

اور بیہودہ تھا۔ ان پڑھ دھوتی پوش بزرگوں کو دھکے دے رہے تھے۔ عملاً ان کا دستی سامان چھین رہے تھے۔ جو بوڑھی عورت گلے میں حمائل تھیلے اتارنے میں ہچکچاہٹ کا اظہار کرتی بنگلہ دیشی اس عورت کو گھسیٹ کر اس کا تھیلا مشین میں پھینکتے۔ ایک باریش بزرگ کی جیب سے سارا سامان نکلوایا' پھر ان کی ٹوپی اتروائی' جوتے اتروائے' آنکھوں سے عینکیں اتروا کر مشین میں ڈالیں' پھر بزرگ سکینر سے گزرے۔ اس ڈرامے میں بے عزتی اور بے بسی کی انتہا تھی۔ سعودی افسران ان نظاروں سے محظوظ ہو رہے تھے۔ دلچسپ بات یہ کہ اس سیکشن میں پاسپورٹ یا ٹکٹ کسی چیز پر کوئی دستخط نہیں کیے جاتے تھے۔ صرف مسافروں اور ان کے سامان کی فزیکل سکریننگ ہو رہی تھی۔ لائن آہستہ آہستہ سرکتی رہی اور زائرین سعودی اور شریف حکمرانوں کو دعائیں دیتے رہے۔ ایک سینئر زائر نے بنگلہ دیشی ملازمین کے غلط برتاؤ پر ٹوکا تو سعودی افسران اپنے ملازمین کے تحفظ پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے احتجاج کرنے والے زائر کو ہال سے باہر بھیج دیا اور حکم دیا کہ وہ کلیرنس کے لیے سب سے آخر میں آئے۔ خدا خدا کر کے جہاز میں سوار ہوئے تو ہوائی جہاز چلنے سے انکاری۔ دروازے بند' اے سی بند' شدید گھٹن۔ کافی انتظار کے بعد پائلٹ نے اعلان کیا کہ وہ تو تیار ہے' سعودی ٹاور سے روانگی کے لیے اجازت کا انتظار ہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے جاں گسل انتظار کے بعد فلائٹ روانہ ہو سکی۔ روانگی میں بلا جواز تاخیر ہماری اذیتوں میں آخری اضافہ تھی۔ اس حبس انتظار کے دوران بہت سارے زائرین پر گلے کی بیماریوں نے حملہ کیا جو گھر لوٹ کر کئی ہفتے طاری رہا۔ ❁❁❁

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن' دروسِ قرآن' دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو' ویڈیو کیسٹس' سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

انجمن خدام القرآن سندھ کراچی

کے تحت

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے جاری کردہ

قرآن فہمی کورس سال اول اور سال دوم

میں داخلوں کا اعلان

جدید تعلیم یافتہ حضرات وخواتین کے لئے علومِ دینیہ کی تحصیل کا نادر موقع!

سال اول

- علم تجوید
- دورۂ ترجمۂ قرآن
- آسان عربی گرامر
- مطالعۂ حدیث
- مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب
- عقیدہ وفقہ
- ترجمۂ قرآن حکیم
- اسپیشل لیکچرز
- سیرت النبی ﷺ
- کلام اقبال

سال دوم

- علم تفسیر
- اصول فقہ
- علم حدیث
- عقیدہ
- علم فقہ
- عربی زبان وادب
- اصولِ تفسیر
- تحریکیات
- اصول حدیث
- توسیعی محاضرات

آغاز: 11 اگست 2014ء

- سال اول میں داخلے کے لئے انٹرمیڈیٹ یامساوی سند درکار ہوگی
- سال دوم میں داخلے کے لئے سال اول یامساوی سند لازمی ہے
- خواتین کے لئے شریعت کے مطابق باپردہ اہتمام
- اہل طلبہ کے لئے مناسب اسکالرشپ
- شہر کے باہر سے آنے والے طلبہ کے لئے محدود تعداد میں ہاسٹل اور میس کی سہولت موجود ہے۔

نوٹ: واضح رہے کہ ہاسٹل/میس کی سہولت قرآن اکیڈمی یٰسین آباد میں صرف حضرات کے لئے دستیاب ہے۔

اسی طرح فی الوقت سال دوم کا کورس بھی صرف حضرات کے لئے یٰسین آباد اکیڈمی میں منعقد کیا جارہا ہے۔

تعارفی نشست:

بروز اتوار 10 اگست 2014ء صبح 9:00 بجے تا نماز ظہر

بمقام: قرآن اکیڈمی ڈیفنس، مسجد جامع القرآن خیابان راحت فیز 6 درخشاں ڈیفنس، کراچی 23-021-35340022

مقاماتِ تدریس:

1. قرآن اکیڈمی ڈیفنس، مسجد جامع القرآن خیابان راحت فیز 6 درخشاں ڈیفنس، کراچی 23-021-35340022
2. قرآن اکیڈمی یٰسین آباد، شارع قرآن اکیڈمی، بلاک 9، فیڈرل بی ایریا، کراچی 021-36806561

مزید تفصیلات، پراسپیکٹس اور داخلہ فارم ویب سائٹ سے حاصل کریں

www.QuranAcademy.com

داخلے جاری ہیں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

(پارٹ I اور II)

رجوع الی القرآن کورسز

بانیٔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں، تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں، ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I)

1. عربی صرف ونحو
2. ترجمۂ قرآن
3. آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل
4. قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی
5. تجوید و ناظرہ
6. مطالعۂ حدیث و فقہ العبادات
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II)

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان وادب
9. اضافی محاضرات

- کلاسز کا آغاز یکم ستمبر سے ہو رہا ہے
- خواہش مند خواتین وحضرات داخلہ کے لیے رابطہ کر سکتے ہیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

نوٹ: داخلہ کے خواہشمند یکم ستمبر تک اپنی رجسٹریشن ضرور کروالیں۔ رجسٹریشن نہ ہونے کی صورت میں لیٹ داخلہ نہیں دیا جائے گا۔

پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

برائے رابطہ: قرآن اکیڈمی

36-K ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 3-35869501

email:irts@tanzeem.org

ندیم سہیل

0322-4371473

July 2014
Regd. CPL No. 115
vol. 63
No.7
Monthly Meesaq Lahore

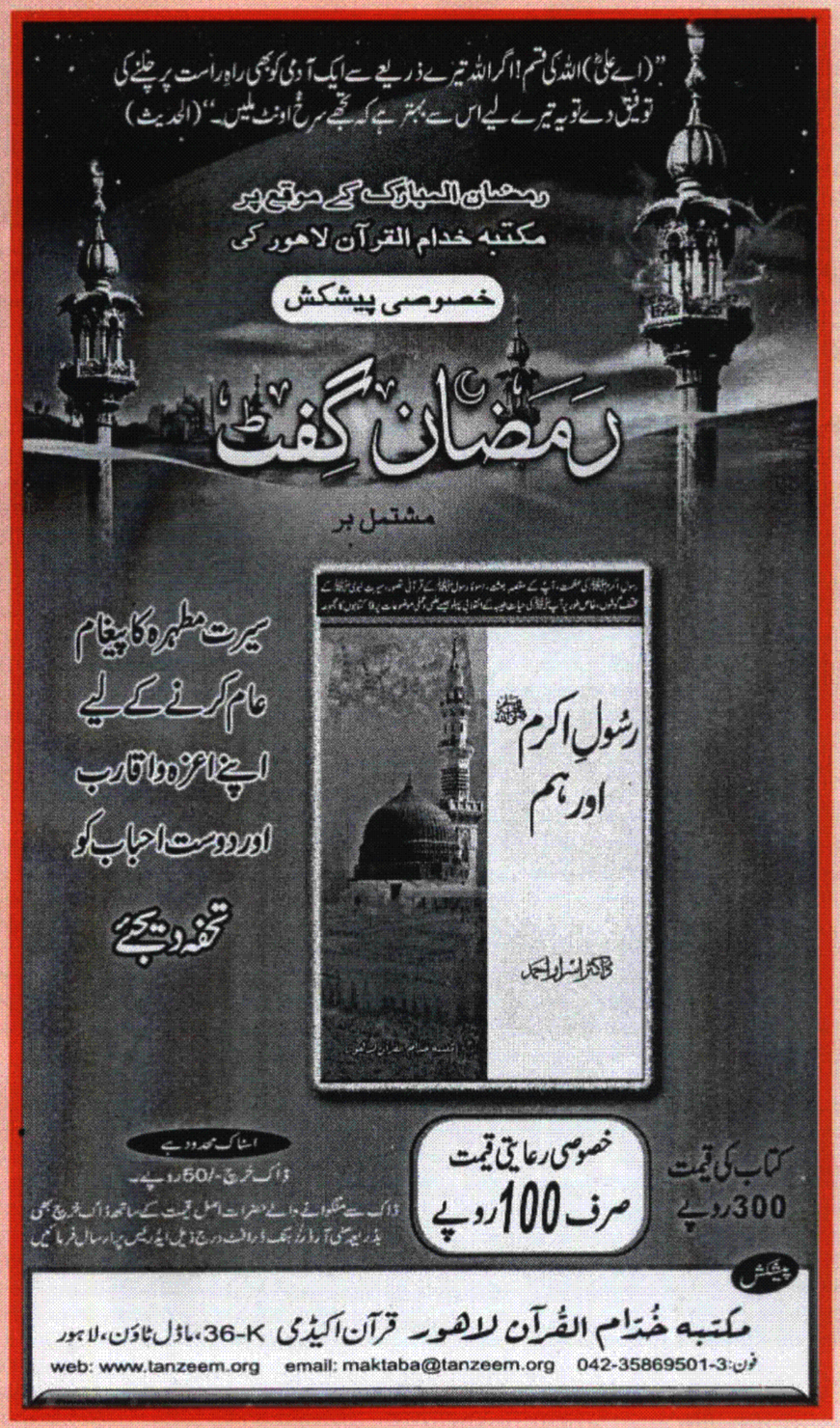

رسولِ اکرم ﷺ کی عظمت، آپؐ کے مقصدِ بعثت، اسوۂ رسول ﷺ کے قرآنی تصور، سیرتِ نبوی ﷺ کے مختلف گوشوں، خاص طور پر آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے انقلابی پہلو جیسے علمی و عملی موضوعات پر 9 کتابوں کا مجموعہ

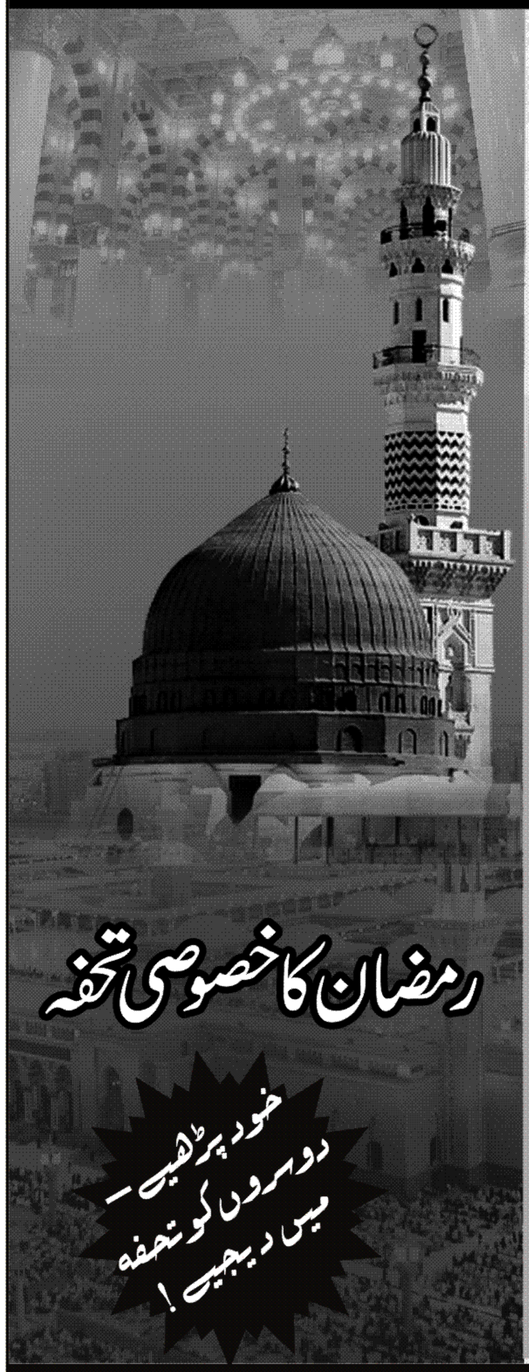

رسولِ اکرم ﷺ اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ

516 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 450 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 300 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 042-35869501-3

maktaba@tanzeem.org